

جامعہ حقانیہ کاترجمان

ساہیوال

سرگودھا

الحقانیہ

مجلد

جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ مئی ۲۰۱۰ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ریزی قدس سرہ

فہرست

3	سفیر فتم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ..... مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
19	درس قرآن کریم..... " " "
21	درس حدیث..... حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
23	ماہیوں کی حکیم الامت رحمہ اللہ..... از قلم حضرت مولانا امیر الحق صاحب رحمہ اللہ
25	اصلاحی مکتب..... فقید العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ
27	تعلیم قرآن کریم اور مدارس دینیہ..... " " "
42	دینی مدارس کی عظمت و افادیت..... خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانویؒ
46	نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم..... فہیم ترمذی

☆☆☆☆☆☆



سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ

اس شمارہ میں سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ کی سوانح

سے متعلق درج ذیل مضمون بطور ادارہ کے پیش خدمت ہے (ادارہ)

یہ ایک واضح سی بات ہے کہ سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ کی عظیم شخصیت ہرگز ہرگز محتاج تعارف نہیں ہے ان کی عظیم دینی، ملی سیاسی خدمات بطور خاص عقیدہ ختم نبوت کے حوالہ سے ان کی بے مثال سنہری خدمات آپ کا حقیقی تعارف اور تاریخ کا ایک سنہری باب ہیں ایسی عظیم ہستیوں کی حیات و خدمات اور ان کے تاریخی کارنامے بعد والوں کے لیے مشعل راہ اور چراغ ہدایت ہیں اس لیے ان کے حالات و واقعات کو جمع کرنا اور ان کی اشاعت وقت کی اہم ضرورت ہے۔

برادر عزیز و گرامی قد رصاحبزادہ مولانا محمد ثناء اللہ زید مجدہم نے اطلاع دی کہ حضرت کی سوانح مرتب کی جارہی ہے اور مختلف حضرات سے مقالات بھی اس بارے میں لکھوائے گئے ہیں۔ انقرے بھی اسرار کیا کہ یہ بندہ بھی حضرت پر کچھ لکھ کر اس عظیم خدمت انجام دینے والوں میں شمولیت کی سعادت حاصل کرے چنانچہ اسی مقصد کے لیے یہ چند سطور لکھ رہا ہوں تفصیل سے لکھنے کا موقع نہیں ملا اس لیے احقر اپنی اس مختصر نوٹسی پر معذرت خواہ ہے عذرا عند کرام الناس مقبول۔

موریہ ۲۷ جون ۲۰۰۳/۱۴۲۵ھ اتوار کے دن ظہر کے وقت سر کو دھاسے ہمارے مخدوم و مکرم حضرت مولانا محمد اکرم طوفانی صاحب مدظلہم نے فون پر اطلاع دی کہ سفیر ختم نبوت حضرت مولانا چنیوٹی لاہور میں انتقال فرما گئے ہیں، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اس اندوہناک خبر سے طبیعت پر بے حد اثر ہوا لیکن سوائے صبر کے کوئی چارہ نہ تھا، نیز اس خبر کے جھٹلانے کی بھی کوئی وجہ نہ تھی اس لیے کہ اس سرانے فانی میں جو بھی آیا ہے وہ جانے



کے لیے ہی آیا ہے بقول حضرت خواجہ مجذوب قدس سرہ۔

نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا رہے گا تو ذکر کوئی رہے گا

حق تعالیٰ کا فرمان کل نفس ذائقۃ الموت اور کل من علیہا فان ایک ایسی صداقت جس سے کسی کو بھی انکار ممکن نہیں ہے، ولنعلم ما قبل مع سبیل الموت غایۃ کل حسی۔ بہر حال حضرت چنیوٹی کے انتقال پر ملال کی خبر کے بعد جنازہ کے متعلق معلومات کہیں تو متنہا ذخیریں سننے میں آئیں چنیوٹ رابطہ سے معلوم ہوا کہ حضرت کا جنازہ کل چنیوٹ میں پڑھایا جائے گا اور اس بطل جلیل کی تدفین بھی یہیں ہوگی۔ البتہ عصر کے بعد آپ کا جنازہ لاہور میں حضرت سید نفیس الحسینی صاحب دامت برکاتہم نے جامعہ اشرفیہ میں پڑھایا جس میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی۔ یہ معلوم ہونے کے بعد کہ جنازہ کل چنیوٹ میں ہو گا خیال آیا کہ ہمارے مخدوم بزرگ حضرت مولانا نذیر احمد شیخ الحدیث عرصہ سے علیل اور صاحب فراش ہیں ان کی تیمارداری ضروری ہے اس کے لیے طے ہوا کہ رات فیصل آباد جامعہ اہلادیہ میں قیام کر کے صبح حضرت شیخ الحدیث صاحب کی تیمارداری کے بعد چنیوٹ میں حضرت مولانا چنیوٹی کے جنازہ میں شرکت کی جائے، چنانچہ احقر عشاء کے وقت مدرسہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا پہنچا پھر وہاں سے حضرت مولانا محمد عارف شاہ صاحب (حال مقیم مدینہ منورہ) برادر م حضرت مولانا اشرف علی صاحب برادر م حضرت مولانا مفتی محمد طاہر مسعود صاحب اور احقر فیصل آباد کے لیے روانہ ہوئے بارہ بجے شب جامعہ اسلامیہ اہلادیہ پہنچے حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب نے استقبال کیا کھانے کے بعد رات کا قیام یہیں ہوا صبح فجر کے بعد حضرت شیخ صاحب کی خدمت میں حاضری دی ان کی طبیعت زیادہ خراب تھی انہیں بڑی مشکل سے ہماری آمد کا بتایا گیا حضرت کی آواز پر کافی اثر تھا لیکن جب انہیں ہمارے بارے میں معلوم ہوا تو اس کے باوجود ہماری خیریت دریافت کی اور ناشتہ کرانے کا حکم دیا وہاں سے جب مہمان خانہ پہنچے تو سب کا یہی تاثر تھا کہ حضرت بھی اب چند دنوں کے مہمان ہیں ان کا وقت بھی آپہونچا ہے تاہم سب حضرات صحت و عافیت کی دعا کرتے رہے اور ناشتہ کے بعد ہم سب چنیوٹ روانہ ہوئے راستہ



میں موضوع ایک ہی تھا یعنی حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ کی حیات و خدمات۔

سفر ختم ہوا تو ہم اس گراؤنڈ کی طرف چلے جہاں جنازہ پڑھنے کا اعلان تھا رش بہت تھا وہاں تک پہنچنے میں کافی دیر لگ گئی کیونکہ ایک ٹھانھیں مارنا سمندر گراؤنڈ کی طرف رواں دواں تھا ہر طرف انسانوں کے سر ہی سر نظر آ رہے تھے حضرت کا جسد خاکی جنازہ گاہ میں پہنچ چکا تھا چونکہ پیپکر کا انتظام بھی تھا اس لیے بعض حضرات نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا اس کے بعد حضرت ناصر الدین خاکوانی مدظلہم نے جنازہ پڑھایا ایک لاکھ کے قریب افراد نے جنازہ میں شرکت کی اس کے بعد جامعہ عربیہ کے پیچھے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

چند واقعات

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرکودھا کا سہ روزہ سالانہ جلسہ ہر سال بڑی آب و تاب سے شعبان المعظم میں ہوتا تھا، دیگر علماء کرام کے علاوہ اکثر حضرت چنیوٹی بھی اس میں شرکت فرماتے۔ یہ ہمارے بچپن اور طالب علمی کا دور تھا بس اتنا یاد ہے کہ ایک شعلہ نوا مقرر رو مجاہد ہاتھ میں کلہاڑی لیے بڑے بیباک اور بے دھڑک طریقے سے تقریر کر رہا ہے ایک مرتبہ ساہیوال محلہ وزیر پور کی پرانی مسجد میاں نکلے والی میں بھی حضرت چنیوٹی کا بیان ہوا حالانکہ یہ مسجد بریلوی مکتب فکر کے حضرات کے زیر اثر تھی لیکن اختلاف مسلک کے باوجود اس وقت ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا رواج تھا اور اختلاف اپنی حد پر تھا اس نے نزاع کی صورت اختیار نہیں کی تھی اس لیے بریلوی حضرات دیوبندی مکتب فکر کے علماء کرام کو اپنے جلسوں میں دعوت دینے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

حضرت اقدس والد صاحب قدس سرہ نے ایک مضمون عرصہ ہوا ”مرزائیوں کے متعلق ججوں کے فیصلے“ اس عنوان سے لکھا تھا حضرت چنیوٹی نے اسے بڑا پسند فرمایا ان کا خیال تھا کہ اسے ترجمان اسلام وغیرہ میں اورا لگ بھی شائع ہونا چاہیے وہ یہ مضمون اسی لیے حضرت رحمہ اللہ سے لے گئے تھے اور غالباً یہ شائع بھی ہوا تھا۔

ایک مرتبہ جامعہ حقانیہ کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے تو ان کے بیان ذی شان سے



قبل احقر نے تعارفی بیان میں مرزائیت کے رد میں قدرے تفصیلی بیان کر دیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے بیان میں اسے جامع خطاب قرار دیا بعد میں بڑی حیرت کے ساتھ اپنے تلامذہ سے دریافت فرمایا کہ اس نے رد مرزائیت میں کہاں کورس کیا ہے؟ احقر نے کورس تو نہیں کیا تھا لیکن اس سلسلہ میں رد مرزائیت سے متعلق کتب کا مطالعہ اور حضرت والد صاحب قدس سرہ سے رہنمائی کا خوب موقع مل گیا تھا جس کی بنیاد پر احقر نے ایک خاکہ اپنے ذہن میں تیار کر کے حضرت کے سامنے پیش کر دیا تھا، بہر حال حضرت ازراہ عنایت اسے بہت سراہا اور احقر کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

ایک مرتبہ جلسہ پر تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت تو قرار دے دیا گیا لیکن ابھی یہ مرحلہ باقی ہے کہ یہ کس وجہ کے غیر مسلم ہیں مرتد ہیں یا زندیق ہیں اگر مرتد ہیں تو انہیں تین دن تک توبہ کی مہلت دے کر اگر اسلام قبول نہ کریں تو قتل کر دیا جائے کیونکہ مرتد کی شرعی سزا بھی قتل ہے فرمانے لگے کہ میں اس سلسلہ میں آج جامعہ عربیہ کے حضرات کو کہہ کر آیا ہوں کہ وہ مواد جمع کریں، احقر نے عرض کیا کہ زندیق کے متعلق ہمارے استاد محترم حضرت علامہ شیخ محمد موسیٰ روحانی بازی کا ایک رسالہ ہے ”التحقیق فی الزندیق“ کے نام سے بھی ان کے رسالہ ”بیضاوی کے مقدمہ اثمار النکمیل“ میں موجود ہے۔

اس پروفرا فرمایا کہ وہ اگر یہاں ہے تو ضرور دکھاؤ احقر نے کتاب تلاش کر کے وہ رسالہ پیش کر دیا جس میں اس موضوع پر شیخ نے کلام کے بعد مرزائیوں کے متعلق لکھا ہے کہ میرے نزدیک یہ زندیق ہیں اور مزید تحقیق اصل رسالہ میں ہے اور یہ رسالہ اس کا خلاصہ ہے، حضرت چنیوٹی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں شیخ موسیٰ سے ضرور ملوں گا اور ان سے تفصیلی رسالہ بھی حاصل کروں گا چنانچہ بعد میں برادر عزیز مولانا ثناء اللہ صاحب نے بتایا کہ حضرت وہاں تشریف لے گئے تھے اور حضرت شیخ سے مل کر انہوں نے اس پر مفصل گفتگو بھی فرمائی تھی۔

چک ۱۲۵ جنوری ضلع سرگودھا میں ایک مرتبہ بد رسہ کا جلسہ تھا حضرت چنیوٹی اور حضرت والد صاحب قدس سرہامد عو تھے جلسہ سے قبل ایک گھنٹہ کے لگ بھگ دونوں حضرات کے مابین گفتگو ہوتی رہی احقر نے بھی اس میں حصہ لیا اس موقع پر حضرت نے ”البحر المحیط“ کی اس



عبارت کا حوالہ اور حل بھی پیش فرمایا جسے مرزائی اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں پھر حیات مسیح علیہ السلام کے موضوع پر ایک عالم کی عربی تصنیف کا ذکر فرمایا اور اس کی بہت تعریف فرمائی اس کے علاوہ وی بھی بہت سے واقعات و حالات سناتے رہے جس سے سامعین محفوظ ہوئے بطور خاص حضرت والد صاحب نے ان واقعات پر بڑی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

شورکوٹ کے مدرسہ جامعہ عثمانیہ میں سالانہ جلسہ پر ایک مرتبہ تشریف لائے تو رات کا قیام بھی وہیں فرمایا اور تقریر کے بعد بہت سے واقعات سنائے حضرت والد صاحب کے ہمراہ احقر بھی موجود تھا اس مجلس میں جامعہ خیر المدارس ملتان سے دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار جانے کا پورا واقعہ سنایا اور حضرت مولانا بدر عالم کی خصوصی شفقت و محبت کا ذکر اور ان کے واقعات بڑے لطف لے کر سناتے رہے، میراث میں اپنی مہارت اور خدا داد استعداد کا ذکر بھی خصوصی طور پر فرمایا اور ساتھ ہی اس پر حضرت مولانا بدر عالم رحمہ اللہ کی مسرت اور خوشی کا ذکر بھی کیا۔

حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ کو اپنے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا سے بے حد عقیدت و محبت تھی اسی لیے اپنے ایک بیٹے کا نام ان کے اسم گرامی پر محمد بدر عالم رکھا ان کا ایک واقعہ حفظ قرآن کریم کی تقریب کا سنایا کرتے تھے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے حفظ پر جو خوشی کی تھی وہ دیدنی تھی اس سے ان کی قرآن کریم کے ساتھ شغف و محبت اور اس کی عظمت نمایاں تھی۔

حضرت حکیم الاسلام جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب قاضی رحمہ اللہ کا ایک ارشاد وہ اکثر اپنے مواعظ میں سناتے کہ جس مذہب کی تعلیم باقی ہے وہ مذہب باقی ہے اور جس مذہب کی تعلیم باقی نہیں وہ مذہب بھی باقی نہیں، اس لیے وہ زور دیتے تھے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے اور جہاں قرآن کریم پڑھایا جاتا ہے ان مقامات کو غنیمت سمجھا جائے، مدارس عربیہ چونکہ قرآن وحدیث کی حفاظت کر رہے ہیں اس لیے یہ بقاء اسلام کا ذریعہ ہیں اس لیے ان کی قدر کرنی چاہیے اور ان کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔

سفیر ختم نبوت حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ جید عالم دین عظیم مبلغ، بیباک اور بزر خطیب نہایت کامیاب مدرس اور دین حق کے داعی، ختم نبوت کے وکیل اور پاسبان



تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و فضل کی دولت سے خوب مالا مال فرمایا تھا انہوں نے جن اساتذہ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور حدیث پاک پڑھنے کی سعادت حاصل کی وہ اپنے دور کے عظیم محدث اور علم و عمل کے آفتاب تھے، حضرت مولانا چنیوٹی رحمہ اللہ نے ان سے نہ صرف ظاہری علم حاصل کیا بلکہ ان کی علمی روحانی مجالس اور صحبت سے بھرپور استفادہ کیا اسی لیے جہاں وہ ایک جید عالم اور فاضل تھے وہیں ایک نیک سیرت متواضع نہایت بلند اوصاف کے حامل بھی تھے، انہوں نے اپنی ساری زندگی درس و تدریس و عطا و تبلیغ اور ختم نبوت کی ترجمانی پاسبانی و کالت اور سفارت میں گزار دی دنیا کے گوشہ گوشہ میں ختم نبوت کا پیغام پہنچایا، مختلف ممالک حتیٰ کہ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند میں بھی حضرات علماء کرام کو اپنے علوم و فیوض سے بہرہ ور فرمایا، انہیں و عطا و تبلیغ کی طرف درس و تدریس کے میدان میں بھی یدِ طولیٰ حاصل تھا، عوام و خواص کو مشکل سے مشکل مضمون سمجھا دینا ان کیلئے کوئی مسئلہ نہ تھا وہ نہایت کامیاب مبلغ و مدرس تھے، حضرت چنیوٹی کونا کون اوصاف کے مالک اور بلند ہوا شخصیت کے حامل اور بہت سے کمالات اور خوبیوں سے متصف تھے لیکن ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ انتہائی بااخلاق اور بہت ہی خوش خلق تھے، چھوٹوں پر شفقت و رحمت سادگی اور تواضع تمام اوصاف پر بھاری تھی، عام طور پر دیکھنے میں یہی آیا کہ جو لوگ علم و فضل میں ممتاز اور شہرت کے حامل ہوں وہ چھوٹوں کی طرف کم التفات کرتے ہیں لیکن حضرت موصوف تمام کمالات کے باوجود اپنے چھوٹوں سے بڑی محبت و شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، احقر نے بارہا ان کی زیارت کی اور جامعہ حثانیہ کے علاوہ مختلف دیگر مقامات پر کئی مرتبہ ان کے بیانات سننے کا موقع ملا حق کوئی اور جرأت و بے باکی میں ان کی مثال نہ تھی، بیان میں سادگی کے باوجود اس قدر کشش تھی کہ سامعین ہمہ تن گوش ان کی طرف متوجہ رہتے تھے وہ اردو پنجابی دونوں زبانوں میں بیان پر یکساں مہارت رکھتے تھے اور اپنے اچھوتے طرزِ بیان کی بنا پر سامعین کے دل موہ لیتے تھے۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں آپ کا موقف

سفیر ختم نبوت حضرت مولانا چنیوٹی رحمہ اللہ علماء دیوبند کے مسلک پر بڑی مضبوطی سے قائم



تھے، مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام عقائد میں ان کا وہی موقف تھا جو علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے، حضرات اکابر علماء دیوبند کی متفقہ عقائد کی دستاویز ”المہند علی المہند“ جس میں علم باری تعالیٰ، ختم نبوت، رسالت کے علاوہ توسل، حیات وغیرہ مسائل بھی موجود ہیں اس کتاب کے مندرجات سے آپ کو بھی پورا اتفاق تھا ”المہند علی المہند“ جسے علماء دیوبند کے سرخیل حضرت شیخ الحدیث مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ نے تحریر فرمایا اور جس پر حضرت شیخ العالم مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی، حضرت مفتی عزیز الرحمن دیوبندی رحمہم اللہ اور دیگر اکابر کے دستخط ثبت ہیں، دیوبندی مسلک و عقائد کے حوالہ سے ایک معیار اور کسوٹی کا درجہ رکھتی ہے، اصل کتاب عربی میں تھی افادہ عام کیلئے اس کا اردو ترجمہ بھی کر دیا گیا تھا لیکن چونکہ اس کا دائرہ علمی حلقہ تک محدود تھا اس لیے حضرت والد صاحب فقیہ العصر یادگار اسلاف حضرت مولانا مفتی عبدالشکور رزندی قدس سرہ نے اس کا ایک جامع خلاصہ تیار فرمایا اور اس پر اس دور کے اکابر علماء کرام سے تصدیق کے بعد اسے شائع کر دیا گیا، پھر احقر نے اس کی مزید تخیص کی اور اسے اشتہار اور جہتی ساز کی صورت میں کثرت سے شائع کیا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے اور اس طرح بھمد اللہ تعالیٰ اکابر کے مصدقہ یہ عقائد عام شائع ذائع ہوئے اور اس سے مسلمانوں کو خوب فائدہ ہوا، احقر نے بھی اپنے مرتب کردہ خلاصہ پر حضرات علماء کرام سے تصدیقات حاصل کیں، اسی سلسلہ میں حضرت چنیوٹی رحمہم اللہ سے تصدیق کے لیے احقر نے عزیز محترم مولانا محمد اعظم ہاشمی سلمہ مدرس جامعہ حقانیہ کو چنیوٹ بھیجا تا کہ وہ حضرت سے اس بارہ میں کوئی تحریر حاصل کر لیں، عزیز موصوف نے احقر کا مرتبہ رسالہ دکھا کر اس موضوع پر گفتگو کی، حضرت نے زبانی طور پر تفصیلاً اس بارہ میں اپنے موقف کی وضاحت کی اور پھر درج ذیل تحریر لکھ کر عنایت فرمائی:

”مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میرا مسلک اپنے اکابر علماء دیوبند کا ہے۔ ترجمان علماء دیوبند حضرت محترم قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فریقین میں نزاع ختم کرنے کے لیے جس تحریر پر خود دستخط کیے ہیں اور فریقین کے دستخط کرائے ہیں میرا اس سے



سرمو بھی انحراف نہیں ہے، اسی فیصلہ کو ہر دو فریقین کو تسلیم کر کے عمل کرنا چاہیے اور امت کو انتشار و اختلاف میں مبتلا کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے، راقم نے اپنے علاقہ میں قادیانیت اور رافضیت کے دو عظیم فتنوں کی وجہ سے حتی الامکان اس کی عمر بھر کوشش کی ہے کہ اس مسئلہ کو عوامی سطح پر زیر بحث نہ لایا جائے اور خود بھی عوامی سطح پر اس مسئلہ کے بیان کرنے سے ہمیشہ احتیاط کی ہے تاکہ اس اختلاف سے دشمنان اسلام فائدہ نہ اٹھائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ضد و عناد کو چھوڑ کر حق کے قبول کرنے کی توفیق عطا فرماویں، فقط واللہ اعلم بالصواب، احقر منظور احمد عرف اللہ عنہ

یہ تحریر مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بلاشبہ مسلک حق کے عین موافق ہے، کیونکہ اس میں جس تحریر کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اس بارے میں مسلک جمہور کی ترجمان اور فیصلہ کن ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

”وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو عالم برزخ (قبر شریف) میں متعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں“ (تعلیم القرآن، اگست ۱۹۶۲ء)

اس میں قبر اطہر کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روح مبارک کے تعلق کے ساتھ حیات مانا گیا ہے، اسی طرح روضہ اطہر پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے والے کے سلام کو سماعت فرمانے کا بھی ذکر موجود ہے، غرضیکہ وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسدی حیات اور سماع کی تصریح ہے اور یہی جمہور کا مسلک اور حق و صواب ہے، جو حضرات محض روحانی حیات اور روحانی سماع کے قائل ہیں اس عبارت سے ان کی تردید ہو رہی ہے، بہر حال اس بارہ میں حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ کا مسلک روز روشن کی طرح واضح ہے فللہ الحمد۔

حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ کی اس تحریر دلپذیر میں صاف تصریح ہے کہ ”مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں میرا مسلک اپنے اکابر علماء دیوبند کا ہے“ اس مسلک کی وضاحت کیلئے آپ تحریر فرماتے ہیں:

”ترجمان علماء دیوبند حضرت محترم قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے



فریقین میں نزاع ختم کرنے کیلئے جس تحریر پر خود دستخط کئے ہیں اور فریقین سے دستخط کرائے ہیں میرا اس سے سرو مو بھی انحراف نہیں۔“

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ نے اس بارہ میں جو تحریر لکھی تھی وہ ہم اوپر نقل کر چکے ہیں وہ علماء دیوبند اور جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک کے عین مطابق ہے، حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”میرا اس سے سرو مو بھی انحراف نہیں“ اس کی روشنی میں آپ کا مسلک اظہر من الشمس و ابین من الایس ہے۔

آپ نے فریقین کو اس پر پابند رہنے اور امت کو انتشار سے بچانے کیلئے لکھا کہ ”اس فیصلہ کو ہر دو فریقین کو تسلیم کر کے عمل کرنا چاہیے اور امت کو انتشار و اختلاف میں مبتلا کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔“

یہ بالکل صحیح ہے کہ اس معاہدہ پر عمل اور اس کی پابندی سے نہ صرف یہ کہ مسلک حق کا تحفظ ہوگا بلکہ امت بھی انتشار و افراق اور تشدد سے بچ جائے گی، حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ نے بھی اسی مقصد کیلئے فریقین کو اس کا پابند فرمایا تھا، لیکن افسوس کہ ایک فریق نے اس معاہدہ کی پابندی نہیں کی اور وہ اس مسلک حق سے انحراف کرتے ہوئے امت میں اختلاف اور انتشار کو فروغ دے کر دیوبندی مسلک کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے میں مصروف ہے، اور اس معاہدہ کے علی الرغم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف میں تعلق روح کے ساتھ جسمانی حیات اور سماع کا انکار کر کے اس نے مسلمانوں میں نزاع و فساد پیدا کر رکھا ہے، والی اللہ العزیز۔

حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ کی تجویز کہ ”فریقین اسے تسلیم کریں“ اگر آج بھی اس پر عمل کیا جائے تو یقیناً امت انتشار سے بچ سکتی ہے، واللہ ولی الہدایۃ و النور فیق و هو خیر رفیق۔ حضرت موصوف کا باوجودیکہ اس بارہ میں وہی مسلک و عقیدہ تھا جو علماء دیوبند اور اہل سنت والجماعت کے ہے لیکن انہوں نے اسے سٹیج پر کیوں بیان نہیں کیا؟ تو اس کی وجہ وہ خود ہی تحریر فرما رہے ہیں کہ:

”راقم نے اپنے علاقہ میں قادیانیت اور رافضیت کے دو عظیم فتنوں کی وجہ سے حتی الامکان



اس کی عمر بھر کوشش کی کہ اس مسئلہ کو عوامی سٹیج پر زیر بحث نہ لایا جائے، اور خود بھی عوامی سٹیج پر اس مسئلہ کے بیان کرنے سے ہمیشہ احتیاط کی تا کہ اس اختلاف سے دشمنان اسلام فائدہ نہ اٹھائیں۔

اس وضاحت سے یہ حقیقت بھی سامنے آگئی کہ حضرت نے اس عقیدہ کو عوام میں اور اسٹیج پر کیوں بیان نہیں فرمایا، آپ کے پیش نظر چونکہ دو عظیم فتنے تھے ان کی اہمیت کے پیش نظر آپ نے اسے عوامی موضوع بنانا مناسب نہ سمجھا کہ اس طرح اصلی کا زکے متاثر ہونے کا اندیشہ تھا۔ معلوم ہوا کہ عوام میں بیان نہ کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کا عقیدہ اس بارہ میں مشکوک تھا یا آپ کسی مصلحت یا خدائخواستہ بداعت کا شکار تھے، ہرگز نہیں۔

احقر نے یہ وضاحت اس لئے کی ہے کہ آپ سے تعلق رکھنے والے بہت سے متعلقین بھی اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ وہ یا تو اس بارہ میں آپ کے مسلک میں شبہ کرتے ہیں یا پھر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت کے ہاں اس مسئلہ کی اہمیت نہ تھی، اس وضاحت سے یہ دونوں غلط فہمیاں ختم ہو جاتی ہیں، امید ہے کہ جو حضرات اس بارہ میں کسی بھی غلط فہمی میں مبتلا ہیں اس وضاحت کے بعد ان کی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔

احقر کو خوب یاد ہے کہ جس زمانہ میں اشاعت التوحید والنسۃ کے ایک نام نہاد مناظر اور دریدہ دہن مبلغ نے اپنے مخصوص سو قیامہ انداز میں حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ کو مناظرہ کا چیلنج دیا تو آپ نے جامعہ سراج العلوم سرگودھا کے ایک عظیم الشان پروگرام میں جس میں عالم اسلام کے عظیم قاری و مقرر شیخ عبدالباسط مرحوم کی تلاوت سننے کیلئے ہزاروں مسلمان جمع تھے بڑے پر جوش انداز میں اس مبلغ کو لاکارا اور اسے مہلبہ کا چیلنج دیا تھا۔ علاوہ ازیں احقر کو یہ بھی یاد ہے کہ جب احقر جامعہ اشرفیہ لاہور میں دورہ حدیث کا طالب علم تھا اس دوران حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ جامعہ میں تشریف لائے اور دورہ حدیث شریف سے ظہر کے بعد خطاب فرمایا، موضوع ”عقیدہ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت کے متعلق اکابر کی خدمات“ تھا، اس ضمن میں آپ نے مقدمہ بہاولپور کا مشہور واقعہ بڑی تفصیل سے سنایا اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بہاولپور تشریف لا کر عدالت میں جو تاریخی بیانات دیے تھے ان کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت علامہ کا یہ



ارشاد ”کہ اگر اس مقدمہ کا فیصلہ میری وفات کے بعد ہو تو میری قبر پر آ کر اس کی اطلاع کر دینا“ بھی نقل کیا پھر اس پر خود ہی تبصرہ بھی فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سماع موتی کے قائل ہیں۔ حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ کے اس بیان سے ان طلبہ کا شک و تردید ختم ہو گیا تھا جو اس بارے میں آپ کے متعلق شک میں مبتلا تھے، یہ واقعہ ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹۸۳ء کا ہے۔

احقر پہلے لکھ چکا ہے کہ حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ جامعہ حقانیہ کے جلسہ پر بارہا تشریف لاتے رہے، حضرت والد صاحب قدس سرہ سے انہیں ایک خاص تعلق تھا، آپ انہیں یادگار اسلاف سمجھتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو نسبتیں عطا فرمائیں تھیں حضرت چنیوٹی ان کی وجہ سے آپ کا بے حد احترام فرماتے تھے، اپنے مشن میں تھلپ اور بے لوث خدمات کی وجہ سے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ بھی ان کی بڑی تعریف فرماتے اور بے حد قدر کرتے تھے، دونوں حضرات میں ایک گہرا تعلق عرصہ سے قائم تھا، حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ کی قدر دانی اور اکابر سے تعلق و محبت اور تواضع کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ جامعہ حقانیہ کے سالانہ جلسہ کیلئے حضرت چنیوٹی صاحب رحمہ اللہ سے وقت لیا گیا اور حضرت نے وقت عنایت فرمادیا لیکن ڈائری میں صحیح طور پر اس کا اندارج نہ ہوسکا اور جلسہ کے اشتہارات شائع ہو گئے اور اعلانات بھی کر دیے گئے لیکن عین جلسہ کے دن حضرت چنیوٹی صاحب رحمہ اللہ نے فون کیا کہ آج سمندری میں جلسہ ہے اس لئے میں ساہیوال نہیں آسکتا، احقر نے عرض کیا کہ ہم نے آپ کے خطاب کا اعلان کر دیا ہے اور آج آپ کے علاوہ کسی اور عالم کا پروگرام نہیں ہے، حضرت نے متبادل عالم کے بھیجنے کا فرمایا اور خود معذرت فرمائی جلسہ دو دن کا تھا اس لئے دوسرے دن حضرت نے فون پر فرمایا کہ میں آج آسکتا ہوں حضرت والد صاحب نے دوسرے علماء کرام کے پروگرام کی وجہ سے معذرت کر دی، خلاصہ یہ کہ حضرت چنیوٹی صاحب رحمہ اللہ جلسہ میں شرکت نہ فرما سکے، آپ سے ایک عرصہ قبل تاریخ لی جا چکی تھی اس لئے اس عدم شرکت سے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی طبیعت پر قدرے ملال تھا ادھر حضرت چنیوٹی صاحب رحمہ اللہ نے بھی اسے بہت ہی



محسوس فرمایا اور بد رسہ اسلامیہ سلاٹوالی کے جلسہ میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات پر اپنے بیان میں سب کے سامنے اس پر معذرت فرمائی، حضرت والد صاحب کی طبیعت پر اس کا بے حد اثر ہوا، بلاشبہ حضرت چنیوٹی صاحب رحمہ اللہ نے اس طرز عمل سے اکابر کی یاد تازہ فرمادی اس سے ان کی عظمت اور تواضع اور مقام بلند واضح ہے، اس کے بعد حضرت جب جامعہ حقانیہ کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے تو آپ نے یہاں بھی گزشتہ سال کی غیر حاضری پر اس انداز سے معذرت فرمائی کہ سامعین حیران رہ گئے کسی نے سچ کہا ہے ”سچ نہد شاخ پر میدہ سر بر زمیں بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے لیکن ہم جیسوں کیلئے اکابر کے ان واقعات میں بڑے ہی سبق ہیں۔“

یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو جب حضرت اقدس والد گرامی قدس سرہ کا انتقال ہوا تو حضرت چنیوٹی اس وقت برطانیہ کے سفر پر تھے وہاں اخبار میں اس حادثہ کی خبر پڑھ کر آپ نے فوراً تعزیتی بیان جاری فرمایا اور گرامی قدس حضرت مولانا محمد الیاس چنیوٹی کو ساہیوال بھیجا، برطانیہ سے واپسی پر خود بھی تشریف لائے اور اظہار تعزیت و ہمدردی فرمائی اور درج ذیل تحریر بھی اپنے قلم سے لکھی:

یہ دنیا فانی ہے اس کی ہر چیز فانی ہے باقی رہنے والی واحد یکتا ذات صرف باری تعالیٰ کی ہے، باری باری ہر ایک نے اس مسافر خانہ سے اپنے اصلی مقام کی طرف کوچ کرنا ہے اس سنت اللہ کے مطابق یادگار اسلاف فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی بھی اپنے اصلی مستقر کی طرف منتقل ہو گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون، حضرت کی وفات کی الم ناک خبر لندن میں پڑھی اور سنی اسی وقت حضرت کی مغفرت اور بلندی درجات کی خود بھی دعا کی اور حاضرین سے بھی دعا کرائی، آپ کی وفات بے شک موت العالم موت العالم کا صحیح مصداق ہے فتویٰ کی صلاحیت آپ کی موروٹی تھی جو آپ کا ذوق بن گیا تھا اس دور میں ہمارے محقق علماء کی آخری نشانی تھے جو ہم سے رخصت ہو گئے، اہل علم میں حضرت مفتی صاحب کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرماتے ہوئے ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرماویں، اور جنت الفردوس ان کا مستقل مقام بنائیں اور ان کے



جملہ پسماندگان کھبر جمیل اور اجر جزیل نصیب فرمائیں، ماشاء اللہ تینوں کے قسم کے صدقات جاریہ نیک اولاد، شاگرد اور تعلیمی ادارے چھوڑ گئے ہیں جن کے ذریعے ان کی نیکیوں میں اضافہ اور درجات کی بلندی ہوتی رہے گی، اللہ تعالیٰ مولا عبدالقدوس بدظلمہ کو جوان کی علمی اور نسبی بھی جانشین ہیں، ان کے عمل، عمر میں برکت نصیب فرمائیں اور ان کے قائم کردہ اداروں کو تاقیامت قائم و دائم رکھیں، آمین۔ فقط

الراقم الحق منظور احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۰۰۱ء/۱۰/۱۰

حضرت والد صاحب قدس سرہ اکثر آپ کو جلسہ پر دعوت دیتے لیکن جب آپ پنجاب اسمبلی کے ممبر ہوئے تو فرماتے کہ دل تو چاہتا ہے کہ جلسہ پر بلایا جائے لیکن شاید لوگوں کے دلوں میں یہ بات ہو کہ پنجاب اسمبلی کے ممبر ہونے کی وجہ سے بلا رہے ہیں اس لئے اس وقت جلسہ پر مدعو نہ فرماتے، ایک مرتبہ عجیب واقعہ ہوا کہ شعبان ۱۴۱۹ھ میں جامعہ حقانیہ کا سالانہ جلسہ تھا دیگر علماء کرام کے ساتھ اس مرتبہ حضرت مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ کو بھی دعوت دی گئی تھی حضرت مفتی صاحب ساہیوال تشریف لے آئے اس مرتبہ حضرت چنیوٹی صاحب کو دعوت نہیں دی گئی تھی اس وقت حضرت پنجاب اسمبلی کے ممبر تھے، لیکن ان سے بعض حضرات نے جامعہ کے جلسہ کا ذکر کر دیا تو حضرت خود ہی تشریف لے آئے اور خوب مجلس رہی پھر حضرت کا خطاب بھی ہوا، حضرت نے ربوہ سے چناب نگر نام ہونے کی بڑی تفصیل سے وضاحت فرمائی، آپ کی اس طرح شرکت سے اس قدر خوشی ہوئی کہ اسے بیان نہیں کیا جاسکتا تھا، اس طرح حضرت والد صاحب کی خواہش بھی پوری ہوئی اور اصول بھی برقرار رہا، کوپا ری دہ پڑداں مراد متقین کا حق تعالیٰ شانہ نے مظاہرہ فرمادیا، اس واقعہ سے حضرت کے اوصاف جمیلہ اور کمالات عالیہ واضح ہیں

رخ فی طلعة الشمس ما یغنیك عن زحل اور رخ مشک آن است کہ خود ہوید نہ کہ عطار گوید کو پیش نظر رکھیے۔ اس موقع پر حضرت نے رجسٹر معاینہ پر جو تحریر لکھی وہ یہ ہے:

جامعہ حقانیہ میں سالانہ جلسہ کے موقع پر کئی مرتبہ حاضری کی سعادت حاصل ہوئی الحمد للہ یہ جامعہ جو کرناٹ ہندوستان میں شروع ہوا پاکستان بننے کے بعد ساہیوال ضلع سرکودھا میں



ایک عرصہ سے دینی خدمات سرانجام دے رہا ہے، اس وقت پر جامعہ یادگار سلاف عالم باعمل فقیہ العصر حضرت مفتی عبدالشکور رزندی مدظلہ العالی کی سرپرستی اور زیر اہتمام چل رہا ہے، جامعہ ہذا کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ مفتی صاحب جیسے مفتی عالم کے زیر نگرانی یہ کام کر رہا ہے، مفتی صاحب موصوف کا نام ہی اس کی سب سے بڑی ضمانت ہے، یہ دینی ادارے دین کی اشاعت، حفاظت اور تبلیغ کے قلعے ہیں، جن میں سے دین کے ہر محاذ پر کام کرنے والے پیدا ہو رہے ہیں، جن کی بدولت آج برصغیر میں دین کی چہل پہل نظر آ رہی ہے اور دین باقی ہے، بقول حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند جس دین کی تعلیم باقی ہے وہ دین بھی باقی ہے اور یہ مدارس بقائے مذہب کی سعی کر رہے ہیں، اس لئے جب تک اس قسم کے دینی مدارس باقی ہیں جن میں دین کی تعلیم ہو رہی ہے اس وقت مذہب باقی ہے جب یہ خدا نخواستہ ختم ہو جائیں گے تو دین ختم ہو جائے گا، لہذا ان دینی مدارس کی اشد ضرورت ہے اور یہ تمام دینی ادارے اہل خیر کے صدقات، زکوٰۃ وغیرہ کے تعاون سے چل رہے ہیں لہذا اہل ثروت کا فرض ہے کہ وہ جامعہ حقانیہ اور اس قسم کے دینی اداروں کی سرپرستی اور تعاون کرتے رہیں۔

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دن دس گنا اور رات سو گنا ترقی عطا فرماویں اور دین کی تعلیم کا یہ سرچشمہ قیامت تک جاری و ساری رہے، آمین۔ فقط والسلام ۱۱/۹۸ھ

حضرت والد صاحب سے آخری ملاقات رجب المرجب ۱۴۲۱ھ میں حضرت والد صاحب حرمین شریفین کے سفر پر تشریف لے گئے احقر بھی ہمراہ تھا جدہ پہنچ کر ان کی طبیعت اس قدر خراب ہوئی کہ صحت سے مایوسی ہو گئی حق تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ رے طبیعت بحال ہونے پر عمرہ کیلئے مکہ معظمہ میں حاضری ہوئی نقاہت و کمزوری کا یہ عالم تھا کہ سہارے سے اٹھنا بھی مشکل تھا سب نے عرض کیا کہ ویل چیئر پر طواف سعی ہو جائے حضرت نے اسے قبول نہیں فرمایا بلکہ طواف اور پھر سعی بھی خود پیدل چل کر مکمل کی، سعی میں حضرت چنیوٹی صاحب سے بھی ملاقات ہو گئی وہ حضرت کی حالت اور پھر پیدل سعی کا منظر دیکھ کر بہت حیران ہوئے فرمانے لگے کہ حضرت کو ویل چیئر پر سعی کراؤ جن انہیں بتایا گیا کہ حضرت پیدل سعی پر مضر ہیں تو حضرت کی



عزیمت دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے، احقر نے حضرت والد صاحب پر مضمون لکھنے کیلئے عرض کیا تو اس میں اس واقعہ کا یوں ذکر فرمایا:

بقیۃ السلف حجۃ الخلف عالم باعمل مفتی عبدالشکور صاحب ایک نمونہ اسلاف عالم تھے مسلک کی پختگی حق کوئی اور سادگی ان کا طرہ امتیاز تھا تکلفات سے کوسوں دور تھے، تکلف والے علماء و خطباء کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے، رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل کرنے والے صاحب عزم علماء میں سے ایک تھے، غالباً ان کی زندگی کا آخری عمرہ تھا بندہ بھی عمرہ کر رہا تھا ان دنوں مفتی صاحب انتہائی کمزور اور لاغر تھے، چند قدم چلنا بھی ان کیلئے مشکل تھا لیکن میں نے سعی کرتے دیکھا کہ دو ساتھیوں کے سہارے آہستہ آہستہ چل کر پیدل سعی کر رہے ہیں، بندہ اپنا شوط پورا کر کے گذراتو راستہ میں بیٹھے سستارہے تھے، ان کی وہ حالت دیکھ کر بڑا تعجب بھی ہوا اور ترس بھی آیا میں نے ساتھیوں سے کہا کہ آپ حضرت کو کرسی پر کیوں سعی نہیں کراتے انہوں نے بتایا کہ ہم نے بہت زور لگایا ہے لیکن مفتی صاحب نہیں مانتے کہتے ہیں کہ پیدل چل کی ہی سعی کرنی ہے، حالانکہ ان کیلئے رخصت تھی اور بلا کراہت وہ سواری پر سعی کر سکتے تھے لیکن انہوں نے رخصت کی بجائے عزیمت کو ترجیح دی، بندہ ان کے اس عزم کو اور ان کی موجودہ حالت کو دیکھ کر بہت ہی متاثر ہوا میں نے کہا کہ یہ اپنے اسلاف کا پورے نمونہ ہیں، ان کے علمی شاہکاران کی تصنیفات اور تحقیقات موجود ہیں اللہ تعالیٰ آنحضرت کو اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائیں اور ان کی جملہ اولاد اور شاگردوں کو ان کیلئے صدقہ جاریہ بنائیں، آمین۔

خور و نوازی

حضرت والد صاحب کی وفات حسرت آیات کے بعد بھی حضرت نے برابر شفقت و عنایت کا سلسلہ ہمارے ساتھ جاری رکھا، اور ہمیشہ بڑی محبت سے ہماری دعوت قبول فرمائی۔

احقر دارالعلوم حقانیہ چنیوٹ کے جلسہ میں شرکت کے لیے چنیوٹ حاضر ہوا حضرت مفتی اعظم مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم بھی اس میں تشریف لائے جمعہ کے بعد ان سے ملاقات کے لیے حضرت چنیوٹی تشریف لائے احقر نے اس موقع پر انہیں جامعہ حقانیہ کے سالانہ جلسہ میں



تشریف لانے کی دعوت دی تو فرمانے لگے کہ میں لندن جا رہا ہوں اگر بر موقع واپسی ہوئی تو آ جاؤں گا۔ احقر چنیوٹ رابطہ میں رہا معلوم ہوا کہ حضرت لندن سے فلاں وقت لاہور ایئر پورٹ پر اتریں گے اور وہاں سے چنیوٹ کا سفر ہوگا جامعہ کے جلسہ کا یہ آخری دن تھا صاحبزادہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مدظلہم و دیگر حضرات حضرت کو لینے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ اور انہوں نے کہا کہ ان شاء اللہ حضرت کو ساہیوال لانے کی پوری کوشش کی جائے گی حضرت لاہور پہنچے تو تھکاوٹ سے بے حد چکنا چور نہایت طویل سفر ضعف اور بڑھاپہ کا تقاضہ بھی سامنے تھا، حضرت نے عذر فرمادیا لیکن صاحبزادہ حضرت مولانا الیاس کی پر زور سفارش اور ہمارے اصرار پر حضرت نے لاہور سے سیدھے ساہیوال کا سفر فرمایا حضرت کی حالت اس روز دیدنی تھی مجھے بہت ہی ترس آ رہا تھا اور اپنے اصرار پر بھی ندامت ہو رہی تھی۔

آپ کی آواز بالکل ٹیٹھی ہوئی تھی گلا ساتھ نہیں دے رہا تھا، بمشکل آپ نے چند منٹ خطاب فرمایا تمام سامعین حیران رہ گئے خاص طور پر صاحبزادہ خطیب اسلام حضرت مولانا قاری تنویر الحق تھانوی مدظلہم اور مخدوم و کرم حضرت مولانا شرف علی تھانوی مدظلہم بے حد حیران و متاثر ہوئے۔ جامعہ میں حضرت کی تشریف آوری اور یہ خطاب آخری بیان ثابت ہوا، اس کے بعد احقر ایک مرتبہ بیمار پرسی کے لیے چنیوٹ حاضر ہوا حسب سابق بڑی شفقت و عنایت فرمائی ماسازی طبع کے باوجود اپنے مشن کے حوالے سے گفتگو فرماتے رہے کچھ دیر بعد احقر نے واپسی کی اجازت چاہی تو آپ دعا کے ساتھ رخصت فرمایا، احقر کی حضرت سے یہ آخری ملاقات ثابت ہوئی اس کے چند روز بعد آپ انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائیں اور ان کی خدمات جلیلہ اور مساعی جمیلہ کو قبول فرمائیں۔ برادران گرامی قد رحمت مولانا محمد الیاس صاحب مدظلہم، عزیز مولانا ثناء اللہ صاحب مولانا ادیس صاحب کو ان کے مشن پر چلنے اور اسے آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ فقط احقر عبد القدوس ترمذی غفرلہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرکودھا ۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

نویں وجہ

نویں وجہ یہ ہے کہ قرآن نے اعلان کیا ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے، وہ قیامت تک بغیر کسی ادنیٰ تغیر و ترمیم کے باقی رہے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو اس طرح پورا فرمایا کہ جب سے قرآن نازل ہوا ہے آج چودہ سو برس کے قریب ہونے کو آئے ہیں ہر قرن ہر زمانے میں لاکھوں انسان ایسے رہے ہیں اور رہیں گے جن کے سینوں میں پورا قرآن اس طرح محفوظ رہا کہ ایک زیر وزیر کی غلطی کا امکان نہیں، ہر زمانے میں مرد، عورت، بچے بوڑھے اس کے حافظ ملتے ہیں بڑے سے بڑا عالم اگر کہیں ایک زیر وزیر کی غلطی کر جائے تو ذرا سے بچے وہیں غلطی پکڑ لیں گے، دنیا کا کوئی مذہب اپنی مذہبی کتاب کے متعلق اس کی مثال تو کیا اس کا دسواں حصہ بھی پیش نہیں کر سکتا، بہت سے مذاہب کی کتابوں میں تو آج یہ پتہ چلانا بھی مشکل ہو گیا کہ اس کی اصل کس زبان میں آئی تھی، اور اس کے کتنے اجزاء تھے۔

کتاب کی صورت میں بھی ہر قرن ہر زمانے میں جتنی اشاعت قرآن کی ہوئی شاید دنیا کی کسی کتاب کو یہ بات نصیب نہیں، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کی تعداد دنیا میں بہ نسبت منکرین اور کافروں کے بہت کم رہی، اور ذرائع نشر و اشاعت بھی جتنے غیر مسلموں کو حاصل رہے ہیں مسلمانوں کو اس کا کوئی معتد بہ حصہ نصیب نہ تھا، مگر ان باتوں کے باوجود کسی قوم کسی مذہب کی کوئی کتاب دنیا میں اتنی شائع نہیں ہوئی جتنا قرآن شائع ہوا۔

پھر قرآن کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے صرف کتابوں اور صحیفوں پر موقوف نہیں رکھا جن کے جل جانے اور کھو ہو جانے کا امکان ہو، بلکہ اپنے بندوں کے سینوں میں بھی محفوظ کر دیا، اگر آج ساری دنیا کے قرآن (معاذ اللہ) نابود کر دیے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب پھر بھی اسی



طرح محفوظ رہے گی، چند حافظوں کو بیٹھ جائیں تو چند گھنٹوں میں پھر ساری کی ساری لکھی جاسکتی ہے یہ بے نظیر حفاظت بھی صرف قرآن ہی کا خاصہ ہے اور اس کے کلام الہی ہونے کا نمایاں ثبوت ہے، کہ جس طرح اللہ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اس پر کسی مخلوق کا تصرف نہیں چل سکتا اسی طرح اس کا کلام بھی ہمیشہ تمام مخلوقات کی دستبرد اور تصرفات سے بالاتر ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہے گا، قرآن کی یہ پیشین گوئی چودہ سو برس تک مشاہدہ میں آچکی ہے، اور تا قیامت ان شاء اللہ تعالیٰ آتی رہے گی، اس کھلے مجزے کے بعد قرآن کے کلام الہی ہونے میں کیا کسی کو شک و شبہ کی گنجائش رہ سکتی ہے۔

دسویں وجہ

دسویں وجہ وہ علوم و معارف ہیں جن کا احاطہ نہ آج تک کسی کتاب نے کیا ہے نہ آنندہ امکان ہے کہ اتنے مختصر حجم اور محدود کلمات میں اتنے علوم و فنون جمع کیے جاسکیں جو تمام کائنات کی دائمی ضروریات کو حاوی اور انسان کی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر حال سے متعلق پورا مرتب اور بہترین نظام پیش کر سکے، شخصی پھر عائلی زندگی سے لے کر قبائلی اور شہری زندگی تک اور پھر عمرانیات و اجتماعیات اور سیاست و ممالک کے ہر پہلو پر حاوی نظام پیش کر دے۔

پھر صرف نظری اور علمی طور پر نظام پیش کرنا ہی نہیں عملی طور پر اس کا رواج پانا اور تمام نظامہائے دنیا پر غالب آ کر قوموں کے مزاج، اخلاق، اعمال، معاشرت اور تمدن میں وہ انقلاب عظیم پیدا کرنا جس کی نظیر نہ قرون اولیٰ میں مل سکتی ہے نہ قرون مابعد میں، یہ حیرت انگیز انقلاب کیا کسی انسان کی قدرت اور اس کی حکمت عملی کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ وہ انسان بھی امی اور اس کی قوم بھی امی ہو۔

محذرات سرا پر دہائے قرآنی چہ بھرند کہ دل میں برہند پنہانی
یہی وہ محیر العقول تاثیرات ہیں کہ جن کی وجہ سے قرآن کو کلام الہی ماننے پر ہر وہ شخص
مجبور ہے جس کی عقل و بصیرت کو تعصب و عناد نے بالکل ہی برباد نہ کر دیا ہو۔

(معارف القرآن ص ۱۵۶ ج ۱)



مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

ترجمہ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک شخص جو علاقہ نجد کا رہنے والا تھا، اور اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے (کچھ کہتا ہوا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کو آیا، ہم اس کی بھینٹا ہٹ (کوٹ) تو سنتے تھے، مگر (آواز صاف نہ ہونے کی وجہ سے، اور شاید فاصلہ کی زیادتی بھی اس کی وجہ ہو) ہم اس کی بات کو سمجھ نہیں رہے تھے، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گیا۔

اب وہ سوال کرتا ہے اسلام کے بارے میں (یعنی اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اسلام کے وہ خاص احکام بتلائیے جن پر عمل کرنا بحیثیت مسلمان کے میرے لئے اور ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ تو نمازیں ہیں دن رات میں (جو فرض کی گئی ہیں، اور اسلام میں یہ سب سے اہم اور اول فریضہ ہے) اس نے عرض کیا کہ کیا ان کے علاوہ اور کوئی نماز بھی میرے لئے لازم ہوگی؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں (فرض تو بس یہی پانچ نمازیں ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنی طرف سے اور اپنے دل کی خوشی سے (ان پانچ فرضوں کے علاوہ) اور بھی زائد نمازیں پڑھو (اور مزید ثواب حاصل کرو)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور سال میں پورے مہینے رمضان کے روزے فرض کیے گئے ہیں (اور یہ اسلام کا دوسرا عمومی فریضہ ہے) اس نے عرض کیا، کیا رمضان کے علاوہ اور کوئی روزہ بھی میرے لئے لازم ہوگا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں (فرض تو بس رمضان ہی کے روزے ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم اور نفل روزے رکھو (اور اللہ تعالیٰ کا مزید قرب حاصل کرو)



راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس شخص سے فریضہ زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا، اس پر بھی اس نے یہی کہا کہ کیا اس زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور صدقہ ادا کرنا بھی میرے لیے ضروری ہوگا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں (فرض تو بس زکوٰۃ ہی ہے) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم نفلی صدقے دو (اور مزید ثواب حاصل کرو)۔

راوی حدیث ظلمہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ سوال کرنے والا شخص واپس لوٹ گیا اور وہ کہتا جا رہا تھا کہ (مجھے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے) میں اس میں (اپنی طرف سے) کوئی زیادتی کی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی یہ بات سن کر) فرمایا فلاح پالی اس نے اگر یہ سچا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح:

اس حدیث میں بھی ارکان اسلام میں سے آخر کن حج کا ذکر نہیں ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ حج فرض ہونے پہلے کا ہو، حج کی فرضیت کا حکم ہمارے قول مشہور سن ۸ یا ۹ ہجری میں آیا ہے، پس ممکن ہے کہ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہو۔

اور دوسری بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس موقع پر حج کا اور اسلام کے دوسرے اہم احکام کا بھی ذکر فرمایا ہو مگر روایت کے وقت صحابی نے اختصار کر دیا ہو، اور واقعہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ذکر کے بعد راوی حدیث ظلمہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ الفاظ بھی روایت کیے گئے ہیں کہ:

فاسخبرہ عن شرائع الاسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اسلام کے احکام بتلائے۔

(معارف الحدیث ص ۸۳ ج ۱)



مرسلہ: محمد صدیق عطا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

بذیل: حضرت مولانا حافظ ابراہیم صاحب حقی ^{رحمۃ اللہ علیہ}؛ مولانا محمد اسعد اللہ رامپوری قدس سرہما
○ فرمایا مولانا گنگوہی رحمہ اللہ سے ایک صاحب نے تصور شیخ کے متعلق سوال کیا کہ جائز
ہے یا نہیں؟ فرمایا حرام ہے اور ایک صاحب کو خود تصور شیخ کی ترغیب دی۔

واقعہ یہ ہے کہ مریض اور اس کا مزاج جیسا ہوتا ہے ویسی ہی دوا بتائی جاتی ہے۔
شریعت کی حفاظت بہت ضروری ہے بعض اوقات انسان کسی غلط فہمی وغیرہ کی وجہ سے حدود
وقیوہ کی رعایت نہیں کرتا ہے تو جو شے فی نفسہ جائز تھی اس کے لیے اس رعایت نہ کرنے سے وہ
جائز نہیں رہتی ہے یہی حال تصور شیخ اور دوسرے خاص مسائل کا ہے کہ خاص شروط کے ساتھ جائز
ہیں اگر ان شروط کی رعایت نہ کی جائے گی تو ناجائز ہو جائیں گے اور یہ عدم جواز کا قاعدہ ان ہی
کے ساتھ خاص ہوگا جو رعایت نہیں کرتے مگر چونکہ اکثر لوگ غلو بھی کرنے والے ہیں اس لیے علی
العموم ممانعت کر دینا مناسب ہوتا ہے۔

○ فرمایا ایک شیخ طریق نے مجھ سے کہا کہ آپ چشتی ہو کر سماع کے منکر ہیں آپ کیسے
چشتی ہیں میں نے دریافت کیا کہ یہ بتلائیے کہ روح طریقت کی کیا ہے؟ فرمایا مجاہدہ یعنی نفس کی
مخالفت پھر میں نے پوچھا کہ سماع کو آپ کا دل چاہتا ہے؟ فرمایا جی ہاں میں نے کہا کہ میرا دل
بھی سماع کا بہت مشتاق ہے مگر میں نہیں سنتا اور آپ سنتے ہیں اب فرمائیے مجاہدہ آپ کرتے ہیں
یا ہم لوگ۔ یہ سن کر فرمایا کہ آج سماع کی حقیقت معلوم ہوئی اور سماع چھوڑ دیا پھر مجھ سے
درخواست کی کہ حضرت حاجی صاحب سے بیعت کرا دو چنانچہ بذریعہ خط بیعت ہو گئے یہ بزرگ
صاحب تصانیف بھی تھے۔

سماع کے متعلق سہل فیصلہ یہ ہے کہ یہ مقاصد اور ضروریات طریق سے نہیں اور اکثر
لوگ حد سے بڑھ جاتے ہیں اس لیے احتیاط ہی اسلم ہے۔



○ فرمایا کسی شخص کو طعنا تو جنتی یا دوزخی کہہ سکتے ہیں مگر قطعاً نہیں کہہ سکتے حدیث شریف میں ہے کہ لا یرکی علی اللہ احد او احسبہ کذا واللہ حسبیہ او کما قال۔
اسی طرح کسی شخص کو طعنا ولی اللہ کہنا اور سمجھنا جائز ہے ہاں یقین کرنا کہ فلاں شخص ولی اللہ ہے صحیح نہیں کیونکہ ولایت کا حاصل ہے قرب باللہ اور اس کو سوائے اللہ کے کون جان سکتا ہے البتہ کسی شخص کو بالیقین شیخ کہنا اور سمجھنا جائز ہے کیونکہ طریق تربیت ایک فن ہے اور اس فن کے جاننے والے کو شیخ کہتے ہیں اور فن جاننے کا علم مشاہدے سے ہو سکتا ہے اس لیے فن دان کو بالیقین شیخ کہنے میں مضائقہ نہیں۔

○ فرمایا ایک مرتبہ مجھ سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ نجدی مقلد ہیں یا غیر مقلد؟ میں نے کہا نہ یہاں کے مقلدوں کی طرح مقلد ہیں اور نہ یہاں کے غیر مقلدوں کی طرح غیر مقلد ہیں، بین بین حالت ہے۔

○ ایک صاحب کا خط آیا لکھا تھا کہ میں نے مکاتبت میں بہت تغافل سے کام لیا ہے بدت سے کوئی عریضہ روانہ نہیں کیا اسی وجہ سے بہت مصائب میں مبتلا رہا ان شاء اللہ آئندہ اس سلسلہ مکاتبت کو برآمد جاری رکھوں گا اور گزشتہ کی معافی چاہتا ہوں حضرت اقدس نے جواب میں تحریر فرمایا کیا دفع مصائب کی غرض سے مکاتبت کا ارادہ ہوا ہے؟ پھر فرمایا کہ اگر ان کا ایسا ارادہ ہے تو نفع کیا ہوگا؟ مقصود خط و کتابت سے صرف اصلاح نفس ہونا چاہیے۔

○ فرمایا گنگوہ کے اکثر پیر زادے مولانا گنگوہی کے بہت معتقد ہو گئے تھے مگر مولانا ان کو بیعت نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ بدعتی کتنا ہی متقی ہو جائے اکثر اس کے دل سے بدعت نہیں نکلتی ہے کچھ نہ کچھ اثر ضرور رہتا ہے اس لیے میں پیر زادوں کو سلسلہ میں داخل نہیں کرتا الا نادرا۔

○ فرمایا حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے یہاں سماع کے متعلق فتوے میں تنگی تھی مگر دوسروں کے ساتھ معاملے میں توسع تھا، مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کے خلیفہ و مجاز تھے اخیر عمر میں سماع کی عادت ہو گئی تھی مگر حضرت مولانا نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ معذور ہیں۔



فقیر العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

اصلاحی مکتب

سالمین کے خطوط اور حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کے جوابات

حال: بندہ سے بعض اشد غلطیاں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے دل سیاہ ہے معلوم ہوتا ہے کچھ ذکر اذکار کا اثر نہیں ہو رہا۔

ارشاد: اثر ضرور ہوتا ہے محسوس نہیں ہوتا کچھ عرصہ کے بعد محسوس بھی ہونے لگے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اور اگر محسوس نہ بھی ہو تو بھی کچھ مضرت نہیں مقصود رضائے حق وہ اخلاص کی وجہ سے حاصل ہے۔

حال: نیکی کی طرف بالکل طبیعت ترقی نہیں کر رہی گناہوں کی طرف میلان اب بھی ہو جاتا ہے۔
ارشاد: کثرت استغفار اس کا علاج ہے میلان ہونا مضرت نہیں اس پر عمل کرنا اور قصداً میلان مضرت ہے اور جب ایسا ہو تو اس کا علاج بھی تو بہ استغفار ہے۔

حال: گناہ سے ہر دفعہ بہت گریہ زاری سے توبہ کرتا ہوں لیکن پھر ارتکاب ہو جاتا ہے۔
ارشاد: پھر کیا حرج ہے کپڑا میلا ہوتا رہتا ہے پھر اس کو دھوتے رہتے ہیں جب گناہ ہو جائے تو بہ کے صابن سے اس کو فوراً دھولیا جائے۔

حال: اب میں نے پختہ توبہ کی ہے توبہ کے الفاظ تلقین فرماویں تاکہ میں ان کو دھراتا رہوں۔
ارشاد: استغفر اللہ ربی من کل ذنب اذنبہ عمداً او خطأ سراً او علانيةً واتوب الیہ ومن الذنب الذی اعلم ومن الذنب الذی لا اعلم انک انت علام الغیوب وستر العیوب وغفار الذنوب ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھتے رہا کریں اور استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو الحی القیوم کا بھی ورد رکھیں۔

حال: رذائل میں سے ایک رذیلہ حُب جاہ ہے کہ بندہ خواہش کرے کہ میں بڑائیوں تو اب عرض یہ ہے کہ یہ بات بھی برداشت نہیں ہوتی کہ بے عزتی ہوتی رہے، عرض ہے کہ جب جاہ کا



مطلب اور اس رزیلہ کا علاج تحریر فرمائیں۔

ارشاد: مطلب تو یہی ہے جو آپ نے لکھا ہے کہ اپنی بڑائی چاہی جائے، علاج اپنی حقیقت کو پیش نظر رکھنا ہے کہ انسان کا ہر کمال اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور یہ کمال لم یکن شیئاً مذکوراً ہے، دل میں یہ مضمون بس جانا چاہئے کہ میری کچھ حقیقت نہیں ہے میں خود کسی عزت کا مستحق نہیں ہوں ہاں اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو میری لوگوں کے دلوں میں عزت ہے۔

حال: آج ۳۱ رمضان المبارک ہوگئی لیکن کوئی عمل بھی نہ ہو سکا۔

ارشاد: یہ نہ ہو سکے کا احساس بھی ان شاء اللہ تعالیٰ کر دے گا۔

حال: حالت اعتکاف میں اگرچہ تعلیم کا مشغلہ جائز تو ہے لیکن بچوں پر سختی کرنی پڑتی ہے جس کی وجہ سے اصلاح باطنی جس کیلئے اعتکاف کیا جاتا ہے وہ حاصل نہیں ہوتی۔

ارشاد: جو سختی حد اعتدال میں ہو وہ بچہ کی اصلاح کیلئے ہر اپنی اصلاح کے خلاف نہیں بلکہ مفید ہے۔

حال: بندہ سالہا سال سے اعتکاف کرتا ہے لیکن اصلاح نہیں ہو رہی۔

ارشاد: اصلاح کا احساس نہیں ہو رہا اصلاح ہو رہی ہے۔

حال: اس لئے ارادہ کیا ہے کہ ان دنوں میں تعلیم کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔

ارشاد: نہیں جاری رہے۔

حال: شہوت سے جان نہیں چھوٹ رہی دعا کی درخواست ہے۔

ارشاد: جان چھوٹنا مطلوب نہیں اس کے تقاضہ پر عمل نہ کرنا مطلوب ہے۔

شہوت دنیا مثال گلخن است کما زوجہا مرقوی روشن تر است

اگر یہ کشمکش نہ رہے تو از دیا دثواب کیسے ہو، دل سے دعا کرتا ہوں۔

حال: بندہ سے تو بہہ پر استقلال نہیں ہوتا تو بہوٹی رہتی ہے۔

ارشاد: ایں درگاہ مادر گاہ نومیدی نیست صمد ہا را اگر تو بہ شکستی باز آ

حال: اور نا کامی کا ہی سامنا ہوتا ہے۔

ارشاد: تو بہ کی توفیق ہو جانی یہ کامیابی ہے نا کامی نہیں ہے۔



فقیر العصر حضرت مفتی سید عبدالغفور ترمذی قدس سرہ

تعلیم قرآن کریم اور مدارس دینیہ

ببینی لفظ

الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی رسولہ سمید الانبیاء

والمرسلین وعلی آله واصحابہ اجمعین اما بعد:

دینی درس گاہوں کی ضرورت

ہر دیندار باشعور انسان اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے اور ضرورت محسوس کرنی چاہیے کہ دین کی تعلیم کی ضرورت تمام دنیوی علوم کی تعلیم سے زیادہ ہے، اسی تعلیم سے مسلمان کا دین باقی رہتا ہے عقائد و ایمان، معاشرت و اخلاق اسی سے درست ہوتے ہیں اللہ اور آخرت کا خوف و خشیت اسی سے پیدا ہوتا ہے، جب یہ نہ ہو تو دنیا میں فساد ہی فساد ظاہر ہوتا ہے، امن امان تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کی حقوق تلفی کا بازار گرم ہو کر تمام معاشرہ فاسد اور شراب ہو جاتا ہے، ان تمام فسادات اور خرابیوں کا مجرب اور بہترین ذریعہ دینی درس گاہوں اور تعلیم گاہوں کا قیام اور ان کی بقاء و تحفظ کا فکر ہے۔

دینی مدارس بقاء اسلام کا ذریعہ ہیں

دیکھ لیا جائے کہ آج دنیا میں جہاں جہاں دینی تعلیم گاہوں کا وجود ہے ان کے ذریعہ سے تمام ماحول میں دین کی روشنی نظر آتی ہے، عقائد و اعمال کی اصلاح اور معاشرہ کی درستگی کا یہ دینی مدارس بہت بڑا ذریعہ ہیں، اور جہاں ان کا وجود نہیں رہا اور علماء دین تیار ہونا بند ہو گئے وہاں اسلام کا بقاء مشکل ہو گیا اور جگہ جگہ فساد اور ابتری پھیل گئی۔

یہ تاریخ عالم کا بہت بڑا دل گداز سانحہ اور اسلام کی گزشتہ تاریخ پر نظر رکھنے والوں کو اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اسی لیے قرآن وحدیث میں تعلیم دین اور دینی علوم کی تحصیل کی جگہ جگہ تاکید اور فضیلت بیان فرمائی گئی ہے اس سے تعلیم دین کی کس قدر اہمیت واضح ہو رہی ہے وہ



قرآن وحدیث سے واقف لوگوں پر واضح ہے اور اسی سے علماء کی ضرورت بھی واضح ہو رہی ہے، درحقیقت یہ علماء دین تعلیم دین میں لگے ہوئے ہیں وہ مقاصد نبوت کو انجام دینے میں مصروف ہیں، مقاصد نبوت قرآن کریم نے تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس کو بتلایا ہے۔

علماء کے وجود کی ضرورت

تعلیم دین کے لیے ہر علاقہ میں دینی مدارس کا اہتمام ہونا چاہیے کیونکہ ہر مسلمان کو دینی تعلیم کی ضرورت ہے اور دینی تعلیم ”علماء“ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی دینی علوم کے وارث بھی ہیں ان ہی سے دینی علوم حاصل ہوں گے، اس لیے تعلیم دین کے لیے علماء کا وجود دنیوی تمام ضروریات سے زیادہ اہم ضرورت ہے، کیونکہ پوری انسانیت کی دینی اصلاح اور دنیوی فلاح اسی دینی تعلیم پر موقوف ہے، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے علم دین کی تعلیم و تعلم کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہو رہی ہے، علماء کرام ان کو اپنی تقریروں اور تحریروں میں وقفہ فو قلابان کرتے رہتے ہیں اور عام مسلمانوں کو دینی تعلیم کی اہمیت و ضرورت کو واضح کرتے رہتے ہیں۔ بعض علماء کرام ماہنامہ البلاغ و بیانات کراچی اور الخیر ملتان وغیرہ رسائل میں بھی ایسے مضامین شائع کراتے رہتے ہیں اور بعض نے مستقل رسائل میں بھی اس طرف توجہ دلائی ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تصنیفات اور خصوصیت سے مواعظ و ملفوظات میں تعلیم دین پر بڑے بصیرت افروز مضامین شائع ہوئے ہیں جن میں دینی تعلیم کی ضرورت و اہمیت کو دل نشیں طریقے پر خوب واضح فرمایا گیا ہے۔

عزیز محترم مولانا اشرف علی تھانوی شرفہ اللہ بالاجرا الجزیل مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ کامران ہلاک علامہ اقبال ناون لاہور نے ”مواعظ اشرفیہ“ کی ماہانہ اشاعت کا سلسلہ جاری کیا ہے، بڑا نافع اور بڑا ہی مفید ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کے جاری رکھنے کے اسباب مہیا فرمائیں اور اس کو قبولیت سے نوازیں اور ”فیوض اشرفیہ“ کی اشاعت کا ذریعہ بنائیں اور اس کے نفع کو عام و تمام بنائیں، آمین۔

زیر نظر احقر کا یہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کا فیض ہے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے دو وعظ ”الفاظ القرآن“ اور ”تعمیم لتعلیم القرآن الکریم“ مولانا موصوف نے شائع کیے ہیں،



احقر نے بہت ہی مختصر طریقہ پر ان دونوں غلطوں سے اور بعض دیگر مسائل سے یہ مضمون مرتب کیا ہے، غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دینی تعلیم کی طرف عام مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ متوجہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ اس سعی کو مشکور و مقبول فرمائیں، آمین۔

ایک غلط فہمی کی اصلاح

فہم قرآن کے نام پر ایک غلطی یہ ہو رہی ہے کہ عربی سے معمولی واقفیت اور زبان دانی کی بنیاد پر علم صرف و نحو قواعد عربیت اور معتبر تفسیروں کے بغیر ہر شخص خود کو قرآن مجید کی تفسیر و تشریح کا اہل سمجھنے لگا ہے اور درس قرآن کے نام پر مطالب قرآن اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق بیان کرنے لگا اور لوگوں کو باور کرایا جانے لگا کہ یہ قرآن مجید کا مقصد اور مطلب ہے، یہ سخت غلط فہمی ہے اور یہ طریقہ دینی اعتبار سے نہایت دجہ مضر ہے، اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مادری زبان عربی تھی مگر وہ مطالب قرآن کے سمجھنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ کے ذمہ بھی مطالب قرآن کا بیان تھا لتبین للناس ما نزل الیہم میں اسی ذمہ داری کو بیان فرمایا گیا ہے۔

تفسیر قرآن کے لیے پندرہ علوم عربیہ میں مہارت کی ضرورت ہے علامہ سیوطی نے ”اتقان“ میں ان کو جمع کر دیا ہے۔ اگر بیان کرنے والا ان تمام علوم کا جامع نہ ہو تو کچھ علوم کا ماہر تو ہو بالکل ہی اردو ترجموں پر دار و مدار نہ ہو یا پھر ایسے مفسر قرآن کی تفسیر پر اپنے بیان کا دار و مدار رکھتا ہو جس کو ان علوم عالیہ پر دسترس اور ان کا ماہر ہو، جو شخص نہ تو ان علوم سے واقف ہو نہ ہی وہ ایسے ماہر علوم کی تفسیر پر اپنے بیان کو ٹپنی کرتا ہو تو وہ اپنے فہم پر اعتماد کر کے ضرور غلط فہمی میں مبتلا ہوگا اور سامعین کے لیے بھی غلط فہمی کا سبب بنے گا اس لیے یہ فہم قرآن نہیں بلکہ نا فہمی ہے اس سے احتراز لازم ہے۔ درحقیقت اس رواج کے تحت اشعوریہ غلط جذبہ کا فرما ہے کہ ترجمہ کے بغیر قرآن کا پڑھنا بے کار ہے، اس کا ازالہ پوری طرح تو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے وعظ ”الفاظ القرآن“ کے مطالعہ سے ہی ہو سکے گا، مختصر طریقہ پر احقر نے بھی اسی سے اس غلط فہمی کے ازالہ کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول و منظور اور نافع فرمائیں، آمین۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد:

ارشاد گرامی مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

علماء کی خدمت مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے، کیونکہ وہ آپ ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں، دین کی حفاظت سب مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے تو یہ سب مسلمانوں کا فرض ہے، جو لوگ علم دین کی تعلیم و تعلم میں لگے ہوئے ہیں وہ سب مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ کو ادا کر رہے ہیں اگر یہ لوگ پر ہٹنا پڑھنا چھوڑ دیں تو پھر یہ کام ہر شخص پر فرض ہو جائے گا اور اگر کسی نے بھی اس کو انجام نہ دیا تو سب گناہگار ہوں گے، پس یہ تو ثابت ہو گیا کہ جو لوگ علم دین میں مشغول ہیں وہ آپ ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور تجربہ و مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ: علم دین کے ساتھ کسب معاش کا کام نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی ایسا کرنا بھی چاہے تو اس کو علم دین کا مل طور پر حاصل نہ ہوگا۔

ایک آدمی ایک زمانہ میں دوائیے کام نہیں کر سکتا جس کے لیے پورے انہماک کی ضرورت ہے، اس مقدمہ کے ساتھ دوسرا مقدمہ یہ ملا ہے کہ شریعت کا قانون ہے جو شخص کسی کے کام میں مجبوس ہو اس کا فقہ اسی کے ذمہ ہے جس کے کام میں وہ مجبوس ہے، چنانچہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے، قاضی کی تنخواہ سب مسلمانوں کے ذمہ اسی لیے ہے کہ وہ ان کے کام میں مجبوس ہے، ہیئت المال سے ملنا کو یا سب مسلمانوں کے پاس سے ملنا ہے۔ اسی قاعدہ سے اہل علم کا فقہ تمام مسلمانوں کے ذمہ ہے ان کو خود ان کی خدمت کرنی چاہیے۔

اگر ہم اس قرآن کی خدمت نہ کریں گے تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ ہمارے نزدیک تعلیم و تعلم قرآن کی کچھ وقعت نہیں ہے، حالانکہ اس حدیث میں اس کی فضیلت صاف موجود ہے کہ ”تعلیم و تعلم میں جو لوگ مشغول ہیں وہ سب سے افضل ہیں“ (از روئے التعمیم تعلیم قرآن الکریم) تعلیم قرآن کی فضیلت

حدیث میں آیا ہے کہ خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ یعنی تم میں بہتر اور



افضل وہ لوگ ہیں جو قرآن کو سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں مشغولی بہت بڑی طاعت اور نیکی ہے اور جو لوگ اس کے سیکھنے سکھانے میں مشغول ہیں وہ سب سے بہتر ہیں اس لیے ایسے لوگوں کو سب سے افضل سمجھنا چاہیے۔

دوسری بات اس سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ قرآن کا سیکھنا اور سکھانا تمام اعمال سے افضل ہے کیونکہ عمل کرنے والے کا افضل ہونا عمل کی فضیلت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنہون عن المنکر و ترعون منون باللہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کے لیے ظاہر کی گئی تم نیک کاموں کا حکم کرتے، برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اس میں حق تعالیٰ نے خیر امت ہونے کی وجہ نیک کاموں کے حکم کرنے کو بیان فرمایا جو کہ بہت سے اعمال خیر کو شامل ہے، ثابت ہوا کہ فضیلت ذات کا مدار اعمال کی فضیلت ہے۔

اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے نولتکن منکم امة یبدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف و ینہون عن المنکر تمہارے اندر ایک جماعت ایسی بھی ضرور ہونی چاہیے جو خیر کی طرف (لوگوں کو) ترغیب دے اور نیک کاموں کا حکم کرے الخ۔

اس میں اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے اور دعوت دینے کا امر ہے اور امر و جوہ کے لیے ہوتا ہے اس لیے ایسی ایک جماعت کا ہونا امت میں واجب ہے جو اعمال خیر کی ترغیب دے اور تعلیم و تعلم قرآن (سکھانا اور سیکھنا) کا سب سے افضل اور خیر الاعمال ہونا اور ثابت ہو چکا تو قرآن کریم کی تعلیم و تعلم کی ترغیب اور اس کی دعوت بھی ضروری ہوئی۔

جو شخص قرآن کریم کی تعلیم دے رہا ہے اور جو اس کو سیکھ رہا ہے اور جو شخص ان کی کسی طرح کی اعانت اور خدمت کر رہا ہے وہ اسی دعوت الی الخیر میں داخل ہے اور یہ مشغولی دعوت و تبلیغ میں صرف داخل ہی نہیں بلکہ اس کا اعلیٰ فرد ہے۔

اب جو کم سمجھ لوگ قرآن کے سیکھنے اور سکھانے والوں اور اس افضل ترین کار خیر میں لوگوں کو دوسرے کاموں میں مشغول کرنا چاہتے اور ان کی دعوت دیتے ہیں ان کو غور کرنا چاہیے کہ



افضل ترین اور اعلیٰ ترین خیر کی طرف دعوت دینی چاہیے یا اس کو چھوڑنے کی دعوت دینی چاہیے؟۔
قرآن کریم کے حروف اور معنی کی تعلیم

اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جس طرح قرآن کریم کے حروف کی تصحیح اور ہر حرف کو اس کے مخرج سے مع اس کی صفات لازمہ کے ادا کرنا اور سیکھنا ضروری ہے اسی طرح اس کے معانی اور مضامین اور تعلیمات و ہدایات سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے اور اس کی تعلیم و تعلم بھی ضروری ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن کریم کو معنی سمجھے بغیر پڑھنا اور اس کے الفاظ کے تعلم و تعلیم میں مشغول ہونا بے فائدہ ہے بلکہ معانی کی طرح الفاظ کی تعلیم و تعلم بھی ضروری ہے، اور الفاظ کے سیکھنے اور سکھانے میں مشغولی بھی بہت بڑی خیر اور نیکی میں مشغولی ہے اس لیے یہ کہنا بہت بڑی غلطی ہے کہ جب قرآن کے معانی نہیں سمجھتے تو الفاظ کی تعلیم و تعلم سے کیا نفع؟ حالانکہ قرآن کریم لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے۔

اور غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”المر“ یہ حروف مقطعات میں سے ہے جن کے معنی ہم کو نہیں بتلائے گئے (کو بعض محققین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھے) اس لیے تمام مفسرین نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے واللہ اعلم بمراده بذلك (جلالین) یعنی اللہ تعالیٰ اس کی مراد کو زیادہ جانتے ہیں۔ باوجودیکہ ان حروف مقطعات کے معنی معلوم نہیں پھر بھی ان کے سیکھنے اور سکھانے کا حکم ہے، امت پر فرض ہے کہ ان کی تعلیم و تعلم اور صحیح ادائیگی کا طریقہ معلوم کرتے اور کراتے رہیں۔

کتابت قرآن

اور تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُبِينٍ میں آیات کریمہ کے دو لقب ارشاد فرمائے گئے ہیں ایک قرآن اور ایک کتاب، قرآن کے معنی ہیں مابقر، یعنی پڑھنے کی چیز اور کتاب کے معنی ہیں مابکتاب یعنی لکھنے کی چیز اور ظاہر ہے کہ پڑھنے اور لکھنے کی چیز الفاظ ہی تو ہیں، معانی کا محل صرف ذہن ہوتا ہے وہ قراءت اور کتابت میں نہیں آسکتے معانی کا مرکز صرف قلب ہے اور جہاں الفاظ کسی کی زبان سے نکلے معاویہاں معانی سمجھے گئے۔ غرضیکہ ان



آیتوں میں صراحت ہے کہ قرآن کے ساتھ پڑھنے کا تعلق رکھو اور ظاہر ہے کہ قراءت الفاظ ہی کی ہوتی ہے نہ کہ معانی کی۔

دوسری صفت اس جگہ کتاب ہے جس کے معنی لکھنے کی چیز ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ قرآن کے ساتھ قراءت کے علاوہ ضبط و کتابت کا بھی تعلق رکھنا چاہیے، اور کتابت کا مصداق حقیقۃً نہ الفاظ ہیں اور نہ معانی، کیونکہ الفاظ تو زبان سے ادا ہوتے ہیں ان کا محل زبان ہے اور معانی کا محل قلب ہے وہ کتاب کا مصداق کسی طرح ہے ہی نہیں بلکہ اس کا مصداق دوسری چیز ہے یعنی نقوش، مطلق نقوش نہیں بلکہ وضعی نقوش ہیں، جیسا کہ الفاظ کی دلالت معانی پر وضعی ہے طبعی نہیں کیونکہ غیر اہل زبان اس کو نہیں سمجھ سکتا اسی طرح نقوش بھی وضعی ہیں ان کی دلالت بھی الفاظ پر وضعی ہے اسی لیے پڑھے ہوئے آدمی ان کو سمجھتے ہیں ان پڑھ نہیں سمجھ سکتے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ کتاب کا حقیقی مصداق نقوش ہیں اور قرآن کی اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ نقوش قرآن بھی قابل حفاظت اور مستحق تعظیم ہیں۔

حفاظت قرآن کا ذریعہ

معلوم ہوا کہ جو نو تعلیم یافتہ الفاظ قرآن کے پڑھنے کو بے فائدہ سمجھتے ہیں وہ درحقیقت معانی قرآن کی قدر نہیں کرتے ورنہ ان کی حفاظت کے ہر سامان کی قدر ہوتی، اور الفاظ قرآن کے پڑھنے کو بے فائدہ کیوں قرار دیتے کہ الفاظ قرآن کو اس کی حفاظت میں بڑا دخل ہے، اور الفاظ قرآن کا یہ معجزہ ہے کہ وہ نہایت آسانی سے حفظ ہو جاتے ہیں۔ اگر خدا نخواستہ یہ لکھے ہوئے مصاحف گم ہو جائیں تو چند حافظ قرآن مل کر اپنی یاد سے اس کو لکھوا سکتے ہیں جو لوگ بغیر معانی سمجھے الفاظ قرآن کے پڑھنے کو بے کار کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ مقابلہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے حافظ پیدا کرنا چاہتے ہیں تا کہ یہ محفوظ رہے، اور حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ اس کا حفظ کرنا ہی ہے اور یہ لوگ دنیا سے حفظ قرآن کو طرح طرح کے بہانوں سے مٹانا چاہتے ہیں کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ حفظ قرآن بچپن ہی میں اچھا ہوتا ہے، بڑے ہو کر ویسا حفظ نہیں ہوتا جیسا بچپن میں ہوتا ہے اور بچپن میں بچہ معانی قرآن سمجھنے کے قابل نہیں ہوتا تو اب اگر ان



لوگوں کے مشورہ پر بچوں کو قرآن نہ پڑھایا جائے تو اس کا انجام یہی ہوگا کہ حفظ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت اور قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ ان تمام رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود ہر زمانہ میں قرآن کریم کے حافظ اس قدر پائے جاتے ہیں کہ ان کا شمار شوارہ ہے۔

رسم خط قرآنی اور قراءات عشرہ

حضرات سلف صالحین نے قرآن کے نقوش اور رسم خط (لکھنے کے طریقہ) کی بھی یہاں تک حفاظت کی ہے کہ رسم خط قرآنی کے متعلق مستقل رسائل تصنیف کیے اور اس کو ایک علیحدہ عظیم الشان فن قرار دیا اور اس میں تغیر و تبدل کو ناجائز قرار دیا۔ الحمد للہ وہ رسم خط جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کو لکھا تھا وہ آج تک بالکل محفوظ ہے اور اس میں کتکتے ہیں چنانچہ ایک جگہ بقدر میں الف نہیں لکھا گیا کیونکہ وہاں دوسری قراءت بقدر ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس جگہ بقدر میں الف نہیں لکھا تا کہ دوسری قراءت پر بھی رسم خط دلالت کرے اسی طرح سورہ فاتحہ میں مملک یوم الدین میں الف نہیں لکھا کیونکہ ایک قراءت میں مملک ہے، رسم خط میں اس کا بے حد لحاظ رکھا گیا ہے کہ سب قراءتوں کا جامع رہے اس لیے اس کا بدلنا حرام ہے، یہ بات علماء کرام اور قراء عظام کے سمجھنے کی ہے عام آدمی اس کو نہیں سمجھ سکتا، بلکہ اب تو بہت سے علماء بھی اختلاف قراءات کی حقیقت سے ناواقف ہیں فالی اللہ المہشتکی، حالانکہ دس قراءات میں سے کسی قراءت سے بھی پڑھا جائے وہ قرآن ہی ہے اور اس سے نماز جائز ہے جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے یہی لکھا ہے (ج ۱) اور ظاہر ہے کہ غیر قرآن سے نماز جائز نہیں ہوتی، اگر یہ دس قراءات قرآن نہ ہوتیں تو ان سے نماز کے جواز کا فتویٰ کیسے دیا جاتا؟

اور قراءات کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کا رسم خط عثمانی میں احتمال ہو، جیسا کہ اوپر کی دو مثالوں میں واضح ہو رہا ہے جیسا کہ امام قراءت علامہ جزری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب طیبہ میں (اس میں انہوں نے ایک ہزار اشعار عربی اشعار میں دس قراءات نقل فرمائی ہیں) اس شرط کا بھی ذکر فرمایا ہے، فرماتے ہیں: **وكان للرسم احتمالاً یحوی** اور رسم خط کے احتمال کو وہ قراءات حاوی ہو۔



جب قرآن کریم کی ہر چیز کی حفاظت کی گئی ہے یہاں تک کہ اس کے نقوش کے لکھنے کے طریقہ کی بھی حفاظت کی گئی ہے تو الفاظ کی حفاظت بدیعہ اولیٰ ضروری ہے بلکہ اس کے تلفظ اور طریق ادا کی حفاظت بھی ضروری ہے جو کہ قراء حضرات کا منصب ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے بڑا فخر ہے کہ ان کے برابر کسی قوم اور کسی امت نے اپنی آسمانی کتاب کی اس طرح حفاظت نہیں کی، اس لیے ضروری ہے کہ ہم بھی قرآن کریم کی ہر چیز کی اسی طرح حفاظت کریں جس طرح امت نے اب تک کی ہے۔ واللہ الموفق والمعین وهو یهدی السبیل۔

دین کی خدمت احسان الہی ہے

خدا تعالیٰ کا احسان اور انعام ہے کہ اس نے یہ خدمت قرآن ہم سے لے لی، اگر ہم نے یہ خدمت انجام نہ دی تو اللہ تعالیٰ کسی دوسری قوم سے یہ خدمت لے لیں گے قرآن کریم میں ہے: **وَإِنْ تَسْأَلُوا بِسْمِ اللَّهِ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ** کہ اگر دین سے اعراض کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے عوض تمہاری جگہ دوسری قوم کو کر دے گا پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ دین کی خدمت اور قرآن کی حفاظت کے لیے ایسی قوم پیدا کر دیں گے جو تمہاری جیسی نہ ہوگی، یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اسلام یا قرآن کو ہماری ضرورت ہے بلکہ ہم کو ہی اسلام و قرآن کی ضرورت ہے۔

غور کیا جائے تو درحقیقت قرآن کریم کے اب بھی اللہ تعالیٰ ہی محافظ ہیں، یہ اللہ تعالیٰ ہی کی تو حفاظت ہے کہ قرآن کریم جیسی ضخیم کتاب کا حفظ کرنا ایسا آسان کر دیا کہ بچے تک حفظ کر لیتے ہیں، حالانکہ قرآن کریم میں تشابہات بھی بہت ہیں اس بات پر نظر کر کے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا نام کرنا مقصود ہے کہ ہم کو حافظان قرآن کی فہرست میں داخل کر کے انعام دینا چاہتے ہیں ورنہ اصل حافظ اور محافظ وہی ہیں جنہوں نے ہم سے یہ کام لیا اور اس کے اسباب عطا کیے، اگر اب بھی اس انعام کی طرف رغبت اور توجہ نہ ہو تو سخت محرومی کی بات ہے۔

بدوں معنی سمجھے قرآن پڑھنے کا فائدہ

اب یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ بغیر معانی کے سمجھے قرآن پڑھنے سے کیا فائدہ؟ ایک



فائدہ تو یہی ہے کہ معافی کی حفاظت بغیر الفاظ کے نہیں ہو سکتی اور معافی کی ضرورت سب کو تسلیم ہے۔
 دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: قرآن کریم کے حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں جس نے ایک بار زبان سے الحمد کہا اس کے نامہ اعمال میں اسی وقت پچاس نیکیاں لکھی گئیں، یہ بڑا قیمتی نفع ہے جس کی قدر کرنے کے بعد معلوم ہوگی جبکہ نیکیوں کی پوچھ ہوگی کیونکہ مرنے کے بعد کے عالم کا سکم یہ نیکیاں ہی ہیں اور جس سکم کو آپ آج اس عالم میں جمع کر رہے ہیں اس بازار میں اس کی کچھ قدر نہیں ہے نہ روپیہ کی نداشتی کی البتہ جو اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیا گیا اس کی قدر وہاں ہوگی اور اس کا اجر وہاں ملے گا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام لگ کر اور اس کے راستہ میں خرچ ہو کر عالم آخرت کا سکم بن گیا یہاں کا سکم نہیں رہا، یہ دنیا تو فانی ہے اس کا سکم بھی فانی ہے ما عندکم یفقد وما عند اللہ باقی جو کچھ تمہارے پاس ہے فانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔

قرآن کریم کے الفاظ پڑھنے کا ایک دوسرا نفع یہ ہے کہ یہ ہے کہ یہ آخرت کا سکم ہے جس کی ایک ایک سورت سے آخرت کے لیے بے شمار خزانے جمع ہو جاتے ہیں، آپ وہاں جا کر دیکھیں گے کہ ایک سورۃ فاتحہ سے اور قل ہو اللہ سے بے شمار نفع مل گیا، مگر ابھی اس واسطے قدر نہیں کہ یہ بازار اس سکم کا نہیں ہے، یہاں یہ سکم رائج نہیں، لیکن آخر آپ ہم سب مسلمان ہیں اور آخرت و قیامت کے آنے کا اعتقاد رکھتے ہیں پھر اس نفع کی بے قدری کیوں ہے؟

یہ تو معنی سمجھے بغیر پڑھنے کا ادنیٰ درجہ کا ثواب ہے، اور اخلاص پر اور دوسرے اسباب سے اور زیادہ ثواب بھی ملتا ہے مثلاً فرض نماز میں قرآن کریم پڑھنے کا ثواب ہر حرف پر سو نیکیاں ملتا ہے۔ اور اگر معافی سمجھ کر پڑھا جائے گا تو اور بھی زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا مگر بغیر معافی سمجھے قرآن پڑھنے کو بے فائدہ سمجھنا سمجھ کی بات نہیں اس کے بھی بہت فائدے ہیں جن کے حاصل کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور حیلے بہانے کر کے ان سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔

الفاظ قرآن کی تاثیر

قرآن کریم نہایت درجہ فصیح و بلیغ عجیب و غریب شریف زبان عربی میں نازل ہوا ہے



جو اس کی فصاحت و بلاغت اور شیرینی کو سمجھتے ہیں وہ تو سمجھ کر پورے ثواب کے علاوہ اس کی فصاحت و بلاغت سے بھی لطف حاصل کرتے ہیں، مگر جو لوگ سمجھتے نہیں وہ اس کے الفاظ کی شیرینی سے لطف اندوز ہوتے ہیں، صحیح پڑھنے والے اچھے قاری سے سن کر دیکھ لیجیے اس کی قراءت میں کس قدر تاثیر اور جذب ہے، مسلمان تو مسلمان کفار بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

حضرت جبیر بن مطعم جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں مدینہ منورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے آئے تھے انہوں نے مغرب کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ طور سنی تو کہنے لگے کاد قلبی ان بطیر قریب تھا کہ میرا قلب جسم سے نکل کر اڑ جائے۔ یعنی اس قدر تاثیر ہوئی کہ میرا دل اڑنے لگا، اللہ اکبر کس قدر مؤثر اور عجیب دل گداز کلام رب ہے جو الفاظ کے پردے میں لپٹ کر ہمیں عطا کیا گیا اس کی قدر کرنی چاہیے، یہ مغالطہ نہیں دینا چاہیے کہ وہ صحابی چونکہ عربی سمجھتے تھے اس لیے ان پر یہ اثر ہوا، اس لیے کہا دل تو ہر صحابی عربی نہیں جانتے تھے، عجمی صحابی بھی بہت تھے سب ہی پر اس کلام مجز کا اثر ہوتا تھا سب ہی کو ہر حرف پر کم سے کم دس نیکیوں کا ثواب اس کے پڑھنے پر ملتا تھا، حدیث میں کہیں سمجھنے کی قید نہیں لگائی گئی من قرأ حرفاً من لک مطلق فرمایا کہ جس نے قرآن کریم کا ایک حرف پڑھا اس کو ہر حرف پر دس نیکیاں ملیں گی اور اللہ کی مثال دے کر واضح کر دیا کہ بغیر سمجھے بھی ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔

دوسرے چودہ سو سال کے بعد بھی ہماری آنکھوں نے مشاہدہ کیا ہے کہ غیر مسلم اور سکھ اس کو سن کر متاثر ہوتے ہیں اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ جاتے ہیں حالانکہ وہ نہ ترجمہ سمجھتے ہیں نہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کے قواعد ہی جانتے ہیں وہ صرف الفاظ قرآن کی صولت و شوکت سے متاثر ہوتے ہیں۔ مگر پڑھنے والا سلیقے سے پڑھ رہا ہو بے طریقہ نہ پڑھتا رہا ہو ورنہ پھر

گر تو قرآن بدیں مط خوانی بہ بری رونق مسلمان

کے مصداق ہوگا غیر مسلموں پر تو کیا اثر ہوگا مسلمانوں کے ہی متاثر ہونے کا اندیشہ ہوگا، اللہ تعالیٰ صحیح طریقہ سے قرآن کریم پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا الفاظ قرآن سے عشق

ذکر اللہ کے بہت سے طریقے ہیں مگر نماز اور تلاوت قرآن سے زیادہ بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے الفاظ سے اس قدر عشق تھا کہ آپ خود تلاوت کرتے ہی تھے اور سوائے خاص حالت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی، اور اس کے معانی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں خوب محضرتھے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم سنانے کی فہمائش کیوں کی؟ اس کی وجہ اس کے سوا کیا تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے الفاظ سے عشق تھا اور دوسرے کی زبان سے سننے میں پوری توجہ الفاظ ہی کی طرف ہوتی ہے اس لیے سننے میں خوب لطف حاصل ہوتا ہے اور مزہ آتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احب ان اسمع من غیری کہ میں دوسرے سے سننے کو پسند کرتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ صرف الفاظ قرآن بھی پڑوں لحاظ معانی کے مطلوب اور ان کا سننا بھی مقصود ہے۔

آجکل کے لکھے پڑھے لوگوں کا یہ مغالطہ قابل توجہ ہے کہ سمجھ کر پڑھنے کا یہ ثواب ہے کیونکہ صحابہ کرام عربی زبان کو جانتے تھے اور وہ اس کو سمجھتے تھے یہ بالکل غلط ہے، بغیر معانی سمجھے بھی یہ ثواب حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اوپر کی تحریر سے ثابت ہو رہا ہے۔ خوب غور کرنے کی ضرورت ہے۔

الفاظ قرآن کا ایک اور نفع

اس سے بڑھ کر الفاظ قرآن کا نفع اور کیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے والے کی قراءت کی طرف بہت توجہ فرماتے ہیں اور نہایت توجہ سے سنتے ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی ہے، اس سے بھی قرآن کے الفاظ کا مقصود ہونا ظاہر ہے کیونکہ قراءت اور استماع الفاظ کے متعلق ہے نہ کہ معانی کے، ہم کو قرآن پڑھتے ہوئے اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ ہماری قراءت کو سن رہے ہیں اس کا اثر یہ ہوگا کہ نہایت احتیاط اور اہتمام کے ساتھ صحت کا لحاظ کر کے قراءت کی جائے گی اور بے پروائی کے ساتھ نہ پڑھا جائے گا، اور یہ مراقبہ بھی



صرف الفاظ پر توجہ کرنے میں ہی ہو سکتا ہے کہ اپنے کو پڑھنے والا نہ سمجھے بلکہ حق تعالیٰ کو متکلم سمجھے اور اپنے کو نثر شجر طور کے حاکی اور ناقص سمجھے، معانی پر توجہ کے ساتھ یہ مراقبہ نہیں ہو سکتا، پھر الفاظ بغیر معانی سمجھے کے بے کاریوں ہوئے؟۔

علاوہ ازیں یہ کہ مقصود تمام طاعات سے قرب حق ہے، حق تعالیٰ کے یہاں سے اولاً الفاظ آئے ہیں اور معانی ان کے تابع ہو کر آئے، پس الفاظ کو اللہ تعالیٰ سے قرب زیادہ ہوا تو الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولاً وبالذات ہم کو ملے ہیں اس لحاظ سے الفاظ بہت زیادہ قابل توجہ ہیں اور مقصود کے اعتبار سے معانی اصل ہیں، بعض حیثیتوں سے الفاظ کو زیادہ قرب حاصل ہے اور بعض سے معانی کو زیادہ قرب ہے، قرآن کریم کے الفاظ اور معانی دونوں قابل اہتمام ہیں یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ بغیر معانی کے الفاظ پڑھنے سے کیا فائدہ؟

صرف قرآن کریم کا ترجمہ شائع کرنا

اس خیال کے لوگوں نے ایک قرآن صرف اردو ترجمہ کی صورت میں بغیر متن (الفاظ) قرآن کے شائع کیا ہے خوب سمجھ لیجئے اس کا خریدنا حرام ہے کیونکہ اس کا منشاء وہی ہے کہ یہ لوگ الفاظ قرآن کو بے کار سمجھتے ہیں دوسرے اس میں بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ اگر یہ صورت عام ہو گئی اور ترجمہ بغیر متن (الفاظ) کے شائع ہونے لگا تو اندیشہ ہے کہ کبھی یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمانوں کے پاس بھی قرآن کا ترجمہ ہی رہ جائے اور اصل غائب ہو جائے، جیسا کہ تو رات، انجیل کے تراجم ہی آج کل دنیا میں رہ گئے ہیں اور اصل کتابیں معدوم ہو گئیں ہیں۔ پھر ترجمہ کے اندر آسانی سے تحریف و تبدیل کرنے کا موقع مل جائے گا، اور جب اصل قرآن بھی ترجمہ کے ساتھ ہو گا تو کسی کی تحریف نہیں چل سکتی کیونکہ ترجمہ کا الفاظ سے مقابلہ کر کے اس کے صحیح اور خطا کا موازنہ کیا جاسکتا ہے۔

نماز میں قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنا

اسی خیال کے بعض لوگوں نے ایک زمانہ میں یہ حرکت بھی شروع کی تھی کہ نماز کے اندر قرآن کریم کا ترجمہ پڑھنے لگے تھے حالانکہ معانی کی خاصیت تو یہ ہے کہ ان کو سمجھ کر پڑھنے سے



قرآن کا مطلب معلوم ہوگا اور اس کے احکام کا پتہ چلے گا اور الفاظ کی خاصیت متکلم کی عظمت و شوکت و صولت کا استخراج ہے اور یہ صرف قرآن کریم ہی کے الفاظ کے ساتھ خاص ہے دوسری کسی زبان کو خواہ اس میں کیسا ہی فصیح و بلیغ ترجمہ کر دیا جائے ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی، اور عبادت سے مقصود معبود کی عظمت دل میں پیدا کرنا اور افعال و جوارح سے اس کی عظمت ظاہر کرنا ہے، اب جو لوگ اردو وغیرہ ترجمہ سے نمازیں پڑھیں گے جو بندوں کی ایجاد ہے تو یقیناً اس میں اصل کلام الہی کے برابر عظمت و شوکت نہیں ہو سکتی۔ یہ جواب ایک عالم نے سر سید احمد خان کی طرف بھی منسوب کیا ہے تو ان کے ماننے والوں کو بھی اس پر غور کرنا چاہیے۔ اور قرآن کریم کے الفاظ بغیر سمجھے پڑھنے کو بے کار نہیں سمجھنا چاہیے تعلیم قرآن اور تلاوت قرآن کا پابندی سے اہتمام کرنا چاہیے اور جب الفاظ قرآن مقصود ہیں تو ان کے صحیح پڑھنے اور تجوید کا بھی اہتمام کرنا چاہیے جو قراء سے سیکھے بغیر ممکن نہیں، تجوید کا ضروری ہونا اور اس کا وجوب و انتخاب کے دلائل فقہ وحدیث سے معلوم ہو سکتے ہیں شرعاً علم تجوید کے ایک درجہ کی تحصیل ضروری ہے۔

ایک نکتہ

اب یہاں ایک نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک جگہ تو لفظ قرآن کو مقدم کیا ہے لفظ کتاب سے اور ایک جگہ اس کا عکس ہے اس سے معلوم ہوا کہ من وجہ الفاظ میں مقصودیت زیادہ ہے اور من وجہ معانی میں مقصودیت زیادہ ہے اور یہ نکتہ اس طرح حاصل ہوا کہ قراءت الفاظ کی ہوتی ہے اور الفاظ کا بدل اول قریب معانی ہیں اور کتابت نقوش کی ہوتی ہے اور اس کا بدل اول قریب الفاظ ہیں اور معانی بدل اول بعید ہیں، پس قراءت کی حالت میں معانی کی طرف اول ہی توجہ ہوتی ہے اور کتابت میں اول الفاظ کی طرف اور ان کے واسطے سے معانی کی طرف، اور مقصودیت سے مراد بھی بدلولیت ہے، پس قراءت میں زیادہ مقصودیت معانی میں ہوتی اور کتابت میں زیادہ مقصودیت الفاظ میں ہوتی، اس مجموعہ میں اشارہ ہو گیا کہ الفاظ بھی اس درجہ میں مقصود ہیں کہ معانی میں من کل الوجوه (ہر وجہ سے) مقصودیت بڑھی ہوئی نہیں بلکہ بعض وجوہ سے الفاظ میں بھی مقصودیت بڑھی ہوئی ہے۔



قرآن کریم کی کتابت جلی حروف میں ہونی چاہیے

مہین کی قید سے اس میں اشارہ ہو گیا اس طرف کہ قرآن کی قراءت اور کتابت دونوں واضح اور ظاہر ہونی چاہئیں، اس لیے فقہاء نے قرآن کی تقطیع چھوٹی کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ قرآن کی تقطیع بڑی ہوتا کہ کتابت صاف اور واضح ہو لیکن متوسط تقطیع کا مضائقہ نہیں جیسے حماک کی تقطیع ہے کہ اس سے سفر میں سہولت ہوتی ہے، ہاں یہ جو آج کل بعض تعویذی قرآن شائع ہوئے ہیں یہ بے شک مکروہ ہے۔

حروف مقطعات کی حکمت

حروف مقطعات میں بہت سے نکات ہیں ایک نکتہ یہ ہے کہ یہ اسرار ہیں درمیان اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معانی سے واقف تھے، مگر دوسروں پر ان کے معانی ظاہر نہیں فرمائے کیونکہ ان کا تعلق محکمہ شرائع عالیہ سے نہیں بلکہ دوسرے محکمہ سے ہے، ان اسرار کو اسی محکمہ کے متعلقین پر ظاہر کیا جاتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو ان سے واقف کیا گیا ہو اور چونکہ امت کو اس محکمہ سے تعلق نہیں اس لیے ہم لوگوں کو ان اسرار پر مطلع نہیں کیا گیا، اور ممکن ہے اس میں اس مضمون پر تنبیہ مقصود ہو کہ قرآن سے محض معانی مقصود نہیں بلکہ الفاظ بھی مقصود ہیں، کیونکہ بعض الفاظ قرآن میں غیر معلوم الہی ہیں، اگر صرف معانی مقصود ہوتے تو قرآن میں ایسے الفاظ کیوں ہوتے حالانکہ وہ جزء قرآن ہیں جن کی قرآن نیت کا انکار کفر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نہ محض الفاظ کو مقصود سمجھا جائے اور معانی کو بے کار، اور نہ محض معانی کو مقصود سمجھا جائے اور الفاظ کو بے کار، بلکہ قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں مقصود ہیں اسی لیے اصولیین نے کہا القرآن اسم للفظ والمعنی جمیعاً۔ غرض دین صحیح وہی ہے جو صورت اور معنی (الفاظ و معنی) دونوں کا جامع ہے سو قرآن کی یہی شان ہے، اس کے الفاظ اور معنی دونوں مقصود ہیں اور وہ دونوں کا جامع ہے۔ فقط واللہ اعلم

۳۳ رمضان المبارک بوقت ضحوة الکبریٰ ۱۴۱۸ھ



حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

دینی مدارس کی عظمت و افادیت

افادات: خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی قدس سرہ

مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند ایشیاء کی ایک عظیم دینی یونیورسٹی ہے، ہر فہماری مادر علمی ہی نہیں بلکہ اسلام کی صحیح اور سچی تصویر پیش کرنے والے اقطاب و مجددین ملت کی غیر فانی نشانی اور صد سالہ فرنگی دور حکومت میں اسلام کے تحفظ و بقاء کی تاریخی یادگار بھی ہے، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء کا قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حکیم العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، عظیم مبلغ اسلام مولانا محمد الیاس کاندھلوی، مفتی اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، محدث عظیم علامہ ظفر احمد عثمانی، مخدوم العلماء مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، استاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھری، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، محدث کبیر مولانا بدر عالم میرٹھی، شیخ الحدیث و انشیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی، جیسی یکٹائے روزگار ستیاں دارالعلوم دیوبند کی پیداوار ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور ہندوستان و پاکستان کے عظیم دینی مدارس کی ایک عظیم الشان تاریخ ہے کہ انہی مدارس کی بدولت آج ہندو پاک کے اندر مسلمانوں کی شکل میں ان کی صورت میں ان کی وضع قطع ان کے اخلاق اور ان کے عقیدے میں اسلام کا اثر موجود ہے، ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں میں دوسری دنیا سے زیادہ دینداری پائی جاتی ہے، یہ سب انہی دینی مدارس اور دینی درسگاہوں کا صدقہ اور ثقیل ہے، صدیوں سے یہ مدارس دینیہ مسلمانوں کی



خدمت میں مصروف ہیں، جہاں یہ مدارس نہیں ہیں اور یہ بوریہ نشین علماء جو انہیں مدارس کی پیداوار ہیں نہیں ہیں وہاں دوسرے ممالک میں سیاحت کیلئے آپ جائیں تو یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ ان مدارس اور ان بوریہ نشین علماء نے جتنا دین پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں میں پیدا کیا ہے وہ آج آپ کو ممالک اسلامیہ میں بھی نہیں ملے گا۔

درحقیقت دین کی حفاظت کرنے والے یہی مدارس ہیں، اور یہی دینی مدارس کے بوریہ نشین علماء ہی ہیں، اور یہی لوگ دین کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ملک و ملت کی حفاظت کرنے والے بھی ہیں، اور یہی مدارس والے ہی قوم و ملک اور اسلام کے سچے خیر خواہ ہیں، جاہد و ظالم حکمرانوں سے اور لادین طاقتوں سے ٹکرانے والے ان کے سامنے کلمہ حق ادا کرنے والے، قریہ قریہ، شہر شہر دین اسلام کی تبلیغ اور دین کا پیغام پہنچانے والے، دشمنان اسلام سے ہر محاذ پر لڑنے والے اور خالق و مخلوق کے حقوق ادا کرنے والے، اور کرانے والے یہ انہی دینی مدارس کے فارغ التحصیل بوریہ نشین علماء ہی ہیں، جن پر زمانہ شاہد ہے۔

اگر خدا نخواستہ ان دینی مدارس کے ختم کرنے کی کوشش کی گئی یا ان بوریہ نشین علماء کو ختم کرنے کا سوچا گیا تو خدا کی قسم یقیناً جیسے کہ ملک و ملت کا جو نقصان عظیم ہوگا اس کا ہر دانا نہ ہو سکے گا، یہ ناقابل تلافی نقصان ہوگا، یہ دینی مدارس دین کے قلعے ہیں انہی کی بقاء سے ملت اسلامیہ کی بقاء ہے، یہی مدارس قوم و ملک اور مسلمانوں کی عزت و آبرو ہیں۔

(اقتباسات ماخوذ از خطبات احتشام، حیات احتشام)

قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے دارالعلوم دیوبند کے طرز پر ایک مرکزی دارالعلوم کے قیام کا فیصلہ فرمایا تھا جو الحمد للہ قائم ہوا، اس دارالعلوم میں ایسے اکابر علماء جمع ہو گئے، جن کا علم و عمل، تقویٰ و طہارت، خلوص و لمبیت مثالی تھا، جن کی برکات اور خلاص کا ثمرہ ہے کہ آج پاکستان میں ہزاروں مدارس موجود ہیں، جامعہ اشرفیہ لاہور، دارالعلوم کراچی، خیر المدارس ملتان، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مدرسہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن اور دیگر سینکڑوں ایسے ہی عظیم دینی مدارس ہیں، جہاں سے یہ علماء، حفاظ عابد و زاہد اور تقویٰ و طہارت والے علماء تیار



ہو رہے ہیں جو آپ کو دوسرے ممالک میں نہیں ملیں گے۔

الغرض میں صرف یہ کہوں گا کہ ان مدارس دینیہ کی ایک بڑی عظیم الشان تاریخ ہے، ان مدارس سے پیدا ہونے والے علماء کے عظیم کارنامے ہیں، جنہیں تاریخ میں نہرے حروف سے نکھاجائے گا، آپ سے گزارش ہے کہ آپ ان مدارس کو اسی طریقہ پر زندہ رکھیں جس طریقہ پر کہ ہم اپنے وجود کو زندہ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں، اور ان شاء اللہ جب یہ دینی مدارس باقی رہیں گے، تو آپ دیکھیں گے کہ ہمارا دین، ہمارے عقائد، ہمارے افکار یہ سب چیزیں باقی رہیں گی۔

حکمران طبقہ جو آج دینی مدارس میں جدید عصری علوم داخل کرنے کا مشورہ دے رہا ہے وہ اسلامی مملکت اور عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق ہے، اور ہم تیس سال سے مرکزی حکومت کی وزارت تعلیمات کو بار بار تجویز دیتے رہے ہیں کہ دینی و دنیاوی تعلیم کے دو متوازی نظام جو اس وقت رائج ہیں اس فرنگی دور غلامی کی یادگار ہیں، جس میں مذہب و سیاست کے جداگانہ مسیحی نظریہ کی بنا پر دونوں علوم کی یکجائی ممکن نہ تھی، قیام پاکستان کے بعد اسلامی مملکت کے تقاضوں کے پیش نظر دو متوازی نظام تعلیم کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں، مگر اس ملک کے ماہرین تعلیم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ یکجائی کا یہ ایک اہم مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک خود حکومت وقت ثانوی تعلیم کیلئے دینی و دنیاوی علوم کا مشترکہ نصاب مقرر کر کے اعلیٰ تعلیم کیلئے میڈیکل اور انجینئرنگ وغیرہ مضامین کی طرح تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم دینیہ کی خصوصی درسگاہیں قائم نہ کرے، حکمرانوں نے اس اسلامی مشورے کے سلسلہ میں قدیم دینی مدارس کے لئے ملاؤں کے مدارس کا جو عنوان اختیار کیا ہے، اس سے مذہبی حلقوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔

ہم حکمرانوں کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ شیخ الہند، حکیم الامت مولانا تھانوی، شیخ الاسلام مولانا بدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مفتی کفایت اللہ، مفتی محمد حسن، مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، عبید اللہ سندھی اور سید عطاء اللہ بخاری جیسی یکتائے زمانہ اور انقلابی شخصیات انہی مریجہ دینی مدارس کی پیداوار تھیں، اور یہ وہی برگزیدہ علماء ہیں جنہوں نے ہر کٹھن اور مشکل وقت میں عالم



اسلام کی عموماً اور برصغیر کے مسلمانوں کی خصوصاً دینی، علمی، تبلیغی، اصلاحی اور سیاسی خدمات کیلئے اپنی زندگیوں وقف کر دیں، انہی سلفی برگزیدہ علماء کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا صدقہ ہے کہ انگریز برصغیر میں اپنے قدم قائم نہ رکھ سکا، اگر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا عبدالماجد بدایونی، ابوالحسنات قادری، مولانا ابن حسن چارچوی، مولانا داؤد غزنوی، مفتی محمد شفیع، مولانا خیر محمد، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، پیر صاحب مانکی شریف اور مولانا اطہر علی اور دوسرے علماء قائد اعظم کے دوش بدوش سر دھڑ کی بازی لگا کر تحریک پاکستان کو پروان نہ چڑھاتے تو پاکستان کبھی نہ بنتا، علاوہ ازیں تحریک ختم نبوت اور دیگر تحریکات نظام مصطفیٰ وغیرہ تحریک بھی انہی دینی مدارس کے علماء کی مرہون منت ہے۔

قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں اکابر علماء نے جہاں دینی مدارس قائم کئے وہاں اسلامی نظام کے عملی نفاذ کیلئے سرگرم جدوجہد بھی کی، قرارداد مقاصد، علماء کے بائیس نکات، تعلیمات اسلامی بورڈ، ۱۹۵۶ء کا دستور، حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق ادا کرنا، لادینی فتنوں سے مقابلہ کرنا، یہ سب علماء ہی کے کارنامے ہیں۔

پاکستان میں مسلک دیوبند کی نشانی شیخ الاسلام علامہ عثمانی تھے، ہم نے انہی کے نظریے اور مسلک کی خاطر زندگی گزار دی، وفاق المدارس کا قیام بھی علامہ عثمانی کا خواب تھا، چونکہ وفاق المدارس مسلک دیوبند کی تنظیم ہے، اسی لئے ہم نے مسلک دیوبند کی ترقی کیلئے یہ تنظیم قائم کی، اور اس کی تحریک کی اور میرے ہی انتظام میں وفاق المدارس قائم ہوا، آج جس کے ساتھ ہزاروں مدارس ملحق ہیں، حضرت مولانا خیر محمد صاحب اور مولانا شمس الحق افغانی صاحب بھی وفاق المدارس قائم کرنے میں سہیم و شریک تھے۔

(ماخوذ متاع اختتام الحق)



فہم تندی

نعت النبی ﷺ

خزاں کو کیا ہو؟ تری دلکشی کا اندازہ
 کہ تو بہار کا اک پھول ہے تروتازہ
 کبھی یہ تیرے تقابل کی سوچ بیٹھا تھا
 قمر کا داغ اسی بھول کا ہے خمیازہ
 ترا خیال تو پل بھر جھٹک سکوں شاید
 بکھر نہ جائے مگر زندگی کا شیرازہ
 نہیں، فہم نہیں، تیری بزم کے قابل
 یہی بہت ہے مرا سر ہو تیرا دروازہ

